ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ

جلد ۱۷۔ شمارہ ۳۔ مارچ ۲۰۰۶ء

کلمہ حق

مغرب، توہین رسالت اور امت مسلمہ — رئیس التحریر — ۲

حالات و واقعات

نسلی و مذہبی منافرت اور یورپی و عالمی قوانین — آغا شاہی — ۵

عظمت رسول اور انسانی حقوق — ابو محمد عبادہ — ۱۰

آرا و افکار

طباعت قرآن میں رسم عثمانی کا التزام — حافظ محمد سمیع اللہ فراز — ۱۲

مباحثہ و مکالمہ

بائبل کا قورح ہی قرآن کا قارون ہے — ڈاکٹر رضوان علی ندوی — ۳۰

مکاتیب — - — ۳۹

تعارف و تبصرہ

'الشرح الثمیری علی مختصر القدوری' — ابو عمار زاہد الراشدی — ۴۷

اخبار و آثار

الشریعہ اکادمی میں فکری نشست — فضل حمید چترالی — ۴۹

''مغرب کے پاس نہ وحی اصل حالت میں موجود ہے اور نہ ہی پیغمبروں کے حالات وتعلیمات کا کوئی مستند ذخیرہ اسے میسر ہے۔ اس لیے اس نے سرے سے ان دونوں سے پیچھا ہی چھڑا لیا ہے اور اب وہ مسلمانوں سے یہ توقع اور پرزور مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ بھی وحی اور پیغمبر کو اپنے ذہن سے اتار دیں اور اپنے جذبات اور احساسات کے دائرے میں انہیں کوئی جگہ نہ دیں۔''

[''کلمہ حق'']

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مغرب، توہین رسالت اور امت مسلمہ

یورپ کے بعض اخبارات کی طرف سے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی پر عالم اسلام میں اضطراب مسلسل بڑھتا جا رہا ہے اور پاکستان کی کم وبیش تمام دینی وسیاسی جماعتوں نے ۳/ مارچ کو ملک گیر ہڑتال کی کال دے دی ہے جس کی تیاریاں ملک بھر میں ہر سطح پر جاری ہیں۔ قوم کا مطالبہ یہ ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کا اہتمام کرنے والے اخبار کے ملک ڈنمارک کے ساتھ سفارتی تعلقات منقطع کیے جائیں اور مغربی میڈیا کی اسلام دشمن مہم اور سرگرمیوں کا اسلامی سربراہ کانفرنس کی سطح پر نوٹس لیا جائے۔ وزیر اعظم جناب شوکت عزیز نے ایک بیان میں اس بات کا عندیہ دیا ہے کہ ڈنمارک کے ساتھ سفارتی تعلقات منقطع کرنے کے مسئلے کا او آئی سی کے فورم پر جائزہ لیا جائے گا۔

ڈنمارک کے اخبار ''جلینڈ پوسٹ'' نے جناب سرور کائنات ﷺ کے یہ گستاخانہ کارٹون محض اتفاق کے طور پر شائع نہیں کیے تھے بلکہ اس کے لیے کارٹونسٹوں میں باقاعدہ مقابلہ کرایا گیا اور دعوت دے کر بہت سے خاکے بنوائے گئے اور ان میں سے بارہ منتخب خاکے شائع کیے گئے۔ پھر اسی پر بس نہیں، ان توہین آمیز کارٹونوں پر مسلمانوں کا ردعمل دیکھ کر بھی فرانس، ناروے، اسپین اور دوسرے ملکوں کے اخبارات نے ان خاکوں کو دوبارہ شائع کیا اور بہت سی انٹرنیٹ سائٹس پر ان کی تشہیر کی گئی۔ یہ واضح طور پر مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانے اور ان کے ردعمل کی سطح اور کیفیت کو جانچنے کی ایک منظم کوشش ہے جس پر دنیا بھر کے مسلمان بجا طور پر اپنے ایمانی جذبات اور غیرت وحمیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور ان کی ردعمل کی شدت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

جہاں تک مغرب کا تعلق ہے تو وہ اپنے ذہن سے وحی اور پیغمبر دونوں کو اتار چکا ہے اور اس کی وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ مغرب کے پاس نہ وحی اصل حالت میں موجود ہے اور نہ ہی پیغمبروں کے حالات وتعلیمات کا کوئی مستند ذخیرہ اسے میسر ہے۔ اس لیے اس نے سرے سے ان دونوں سے پیچھا ہی چھڑا لیا ہے اور اب وہ مسلمانوں سے یہ توقع اور پر زور مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ بھی وحی اور پیغمبر کو اپنے ذہن سے اتار دیں اور اپنے جذبات اور احساسات کے دائرے میں انہیں کوئی جگہ نہ دیں، لیکن مغرب یہ توقع اور مطالبہ کرتے ہوئے یہ معروضی حقیقت بھول جاتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس یہ دونوں چیزیں اصلی حالت میں موجود ومحفوظ ہیں۔ قرآن کریم بھی اصلی حالت میں ہے اور جناب نبی کریم ﷺ کے حالات زندگی، تعلیمات اور ارشادات بھی پورے استناد اور تفصیل کے ساتھ مسلمانوں کے پاس موجود ہیں، اور صرف لائبریریوں کی زینت نہیں بلکہ یہ دونوں چیزیں پڑھی جاتی ہیں، پڑھائی جاتی ہیں، لکھی جاتی ہیں، شائع ہوتی ہیں اور دنیا کے کسی بھی خطے کے مسلمان ان

دونوں یا ان میں سے کسی ایک سے محروم نہیں ہیں۔ اس لیے مسلمانوں سے مغرب کی یہ توقع اور مطالبہ کہ وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے دست بردار ہو جائیں گے، ایک سراب کے پیچھے بھاگنے کے سوا کوئی معنویت نہیں رکھتا۔ ورلڈ میڈیا، بین الاقوامی لابیوں، مغربی فکر و فلسفہ کی برتری کا مسلسل ڈھنڈورا پیٹنے والے نام نہاد مسلمان دانشوروں اور مغرب نواز مسلمان حکومتوں کی تمام تر منفی کارروائیوں، پروپیگنڈے اور پالیسیوں کے باوجود دنیا بھر کے عام مسلمان آج بھی جناب نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ بے لچک کمٹمنٹ رکھتے ہیں اور اس کمٹمنٹ کو کمزور کرنے کی کوئی کوشش کسی بھی حوالے سے کامیاب نہیں ہو رہی جو جناب نبی کریم ﷺ کے اعجاز کا آج کے دور میں کھلا اظہار ہے۔

بعض اخباری اطلاعات کے مطابق ڈنمارک کے جس اخبار نے جناب نبی کریم ﷺ کے گستاخانہ خاکے اور کارٹون شائع کر کے دنیائے اسلام کے غیظ و غضب کو دعوت دی ہے، اس اخبار کے مالکان نے مسلمانوں کے اس غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اپنے طور پر یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس اخبار میں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھی اتنے ہی خاکے اور کارٹون شائع کیے جائیں گے جتنے جناب نبی کریم ﷺ کے حوالے سے شائع کیے گئے ہیں۔ اگر ڈنمارک کے گستاخ رسول اخبار کے مالکان یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سیدنا حضرت عیسیٰ کے گستاخانہ خاکے شائع کر کے صورت حال کو بیلنس کر سکیں گے تو یہ ان کی بھول ہے اور وہ شدید غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اس سے مسلمانوں کے غصے میں کمی نہیں ہوگی بلکہ ان کے رنج و غصہ میں اضافہ ہوگا، اس لیے کہ مسلمان سیدنا حضرت عیسیٰ کا بھی اسی طرح احترام کرتے ہیں جیسے سیدنا محمد ﷺ کی عقیدت و احترام ان کے دل میں ہے، اور جس طرح سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی ان کے لیے ناقابل برداشت ہے، اسی طرح سیدنا حضرت عیسیٰ بلکہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی سچے پیغمبر کی شان اقدس میں گستاخی ناقابل برداشت ہے اور قرآن و سنت میں اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔ البتہ اس سے یہ دلچسپ صورت حال ضرور پیدا ہو جائے گی کہ مسیحی کہلانے والے لوگ حضرت عیسیٰ کی شان میں گستاخی کر رہے ہوں گے اور حضرت محمد ﷺ کی امت کے غیرت مند لوگ حضرت عیسیٰ کے ناموس و تحفظ کا پرچم اٹھائے اس بے ہودگی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہے ہوں گے۔

ہم اس حوالہ سے پاکستان کی سیاسی و دینی جماعتوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے تمام تر سیاسی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے 'قومی مجلس مشاورت' کی صورت میں متحد ہو کر مغرب سے دوٹوک کہہ دیا ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کی حرمت و ناموس کے مسئلہ پر کوئی مصالحت نہیں ہو سکتی اور مغرب کو بہر حال اپنے گستاخانہ اور معاندانہ طرز عمل سے دست برداری کا کوئی واضح راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ 'قومی مجلس مشاورت' نے ۳ / مارچ کو ملک گیر ہڑتال کا جو اعلان کیا ہے، اسے منظم طریقے سے کامیاب بنانے کی ضرورت ہے اور وقت کا یہ تقاضا ہے کہ سارے ملک میں ہر سطح پر ''قومی مجلس مشاورت'' کے مطالبات کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کی جائے اور ہر جماعت اور ہر طبقہ کو ساتھ لے کر چلنے کا اہتمام کیا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ مظاہروں کو ہر قیمت پر، پرامن رکھا جائے اور اس بات سے ہر وقت چوکنا رہا جائے کہ کوئی شر پسند عنصر اس موقع سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تحریک کا رخ تشدد کی طرف نہ موڑ سکے، کیونکہ تحریکیں تشدد کا رخ اختیار کر لیں تو ناکام ہو جایا کرتی ہیں۔

پتنگ بازی کا فتنہ

۱۹ر فروری ۲۰۰۶ کو ایک اور تین سالہ بچی ماہ نور نے کٹی پتنگ کی تیز دھار ڈور گلے میں پھرنے سے ماں کی گود میں تڑپ تڑپ کر جان دے دی، انا للہ و ان الیہ راجعون۔ اس سانحے کے بعد بھی ''زندہ دلان لاہور'' بوکاٹا کے نعرے لگاتے رہے اور بچی کے لواحقین سمیت دردِ دل رکھنے والوں کے شکستہ دلوں پر چھریاں چلتی رہیں۔ ہمیں امید ہے کہ مصائب میں گھرے عوام کو ''سستی تفریح'' فراہم کرنے کا عزم رکھنے والے صاحبانِ اقتدار اپنے عزم کی پختگی کا ثبوت بہم پہنچانے کے لیے ایسے مزید کئی سانحوں کو جنم دیں گے، جب تک کہ خود ان میں سے کسی کے دل پر وہ سب کچھ نہ گزرے جو ایسے واقعات کے شکار ہونے والوں پر گزرتی ہے۔ ملک کی اعلیٰ ترین عدلیہ بھی اگر ''تفریح'' کے نام پر ہونے والی ہلاکتوں پر قابو پانے میں بے بس ہے تو اسے واشگاف الفاظ میں اپنی بے وقعتی کا اعتراف کر لینا چاہیے اور معاملہ عوام کے سپرد کر دینا چاہیے تاکہ وہ خود اپنی جان و مال کی حفاظت کا اہتمام کریں۔ دنیا کا کوئی بھی اخلاقی، قانونی، سیاسی یا تفریحی ضابطہ کسی کو کسی کی جان سے کھیلنے کی ''عارضی اجازت'' بھی ہرگز نہیں دیتا۔ اس وقت ملک کی اعلیٰ ترین عدلیہ کی خاموشی اور بے وقعتی یقیناً ایسی انارکی کا پیش خیمہ معلوم ہوتی ہے جس کے آگے کسی قسم کے قانونی و اخلاقی بند نہیں ٹھہر سکیں گے۔ اگر اس ملک کی عدلیہ کسی حد تک آزاد ہے تو اسے ازخود نوٹس لیتے ہوئے ایسے قاتل صاحبانِ اقتدار کے خلاف فوراً ایکشن لینا چاہیے جنھوں نے پتنگ بازی پر عائد پابندی کو تفریح کے نام پر ہوا میں اڑا دیا ہے۔

(پروفیسر میاں انعام الرحمٰن)

آغا شاہی☆

نسلی ومذہبی منافرت اور یورپی وعالمی قوانین

یورپی اخبارات میں شائع ہونے والے پیغمبر اسلامؐ کے توہین آمیز اور اشتعال انگیز کارٹونوں نے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ایک ارب سے زائد مسلمانوں کو مشتعل اور غضب ناک کر دیا ہے۔ متعلقہ اخبارات کے مدیران آزادی اظہار کو اس ناپاک جسارت کا جواز قرار دیتے ہیں، جبکہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان کے خیال میں یہ فعل ''جلتی پر تیل'' انڈیلنے کے مترادف ہے۔ مذکورہ کارٹون ڈنمارک کے روزنامہ ''جلینڈ پوسٹنز'' میں شائع ہوئے۔ مبینہ طور پر اس اخبار کی انتظامیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ ''حساب برابر'' کرنے کے لیے جتنی تعداد میں رسول خدا کے کارٹون چھاپے گئے، اتنی ہی تعداد میں حضرت عیسیٰ کے کارٹون چھاپے جائیں گے۔ ان کارٹونوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کی تضحیک کا پہلو نمایاں ہوگا۔ یہ (حل یا طریق معذرت) مسلمانوں کے لیے ہرگز قابل قبول نہیں، کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ کو بھی خدا کا پیغمبر اور نبی مانتے ہیں۔

آزادئ اظہار رائے کا حق لامحدود ہرگز نہیں اور شہری وسیاسی حقوق پر عالمی قانون (International Covenant on Civil and Political rights-ICCPR) کے ذریعے اس حق کو محدود کیا گیا ہے۔ امن عامہ اور اخلاقی اقدار کو برقرار رکھنے کے لیے مذکورہ معاہدے کا احترام ضروری ہے۔ ان توہین آمیز کارٹونوں کو دیکھ کر کسی بھی مسلمان کے غم وغصے کا عروج پر پہنچ جانا فطری سی بات ہے۔ دنیا کارٹونوں کی اس بات کو ''تہذیبوں کے تصادم'' (Clash of Civilisations) کا تمہیدی منظر قرار دے رہی ہے، یعنی ''مغرب بمقابلہ اسلام'' کے دور کا (ایک بار پھر) آغاز ہو چکا ہے۔

زیر بحث کارٹون پیغمبر اسلامؐ سے یا دوسرے لفظوں میں اسلام سے نفرت کا اظہار ہیں۔ ان کارٹونوں کو شائع کر کے ''ہمہ قسم کے نسلی امتیاز (یا تعصبات) کے خاتمے پر عالمی کنونشن'' کی صریحاً خلاف ورزی کی گئی ہے۔ یہ کنونشن نسلی برتری، نفرت انگیز تقاریر اور نسلی تعصب کو ابھارنے کے عمل کو غیر قانونی قرار دیتا ہے۔ اس کی رو سے اقوام متحدہ کی ہر رکن ریاست پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کے قابل تعزیر اقدامات کے ذمہ داروں کو قرار واقعی سزا دے۔ لہٰذا یہ ثابت ہو گیا کہ ان کارٹونوں کو شائع کر کے دراصل ایک عالمی قانون کی نفی اور خلاف ورزی کی گئی ہے۔ آزادی اظہار کی آڑ میں عقیدہ اسلام کے حاملین

☆ سابق وزیر خارجہ اسلامی جمہوریہ، پاکستان۔

یعنی مسلمانوں کے جذبات کو جس طرح مجروح کیا گیا ہے، اس کے بعد ضروری ہو گیا ہے کہ ان ملکوں میں موجود اسلامی تنظیمیں اور مسلمان قانونی ماہرین متعلقہ ملکوں کی بااختیار عدالتوں سے ''محکم فیصلہ'' (Ruling) حاصل کریں بلکہ ترجیحاً ''انسانی حقوق کی یورپی عدالت'' (European Court of Human Rights) سے رابطہ کریں تاکہ مسلمانوں کے زخموں کا کسی حد تک مداوا ہو سکے۔

CCPR اور ICERD جیسے معاہدوں سے ثابت ہو جاتا ہے کہ آزادی اظہار رائے کا مطلب بے لگام آزادی ہرگز نہیں، بلکہ اس کی حدود و قیود کا باقاعدہ تعین کیا گیا ہے۔ ان معاہدوں پر اقوام متحدہ کے رکن ممالک کی واضح اکثریت نے دستخط کر رکھے ہیں اور یورپی عدالتیں ان حدود و قیود کی توثیق کرتی ہیں۔ ICERD پر عمل درآمد کا جائزہ لینے اور اسے مانیٹر کرنے کے لیے باقاعدہ ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جو ''نسلی تعصّبات کے خاتمے کی کمیٹی'' کے نام سے موسوم ہے۔ قانون کی رو سے نسلی برتری یا نسلی تعصب یا نسلی برتری کے نام پر نفرت پھیلانے کو مستوجب سزا قرار دیا گیا ہے۔ نسلی تفاخر کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نسلی منافرت تشدد کو جنم دیتی ہے، لہٰذا یہ فعل قانوناً ممنوع ہے اور اس کی سزا اظہار رائے کی آزادی سے ہم آہنگ ہے۔ اس حوالے سے صرف موزوں اور مناسب قانون سازی ہی کافی نہیں، بلکہ قانون کا موثر نفاذ بھی ضروری ہے۔ جو شہری آزادی اظہار کے حق سے استفادہ کرتے ہیں، ان پر بعض خصوصی فرائض اور ذمہ داریاں (خود بخود) جاری ہو جاتی ہیں۔ (CERD کی عمومی سفارش xv)

اسلامی عقائد کے حامل افراد (مسلمان) جن کی توہین کی گئی ہے، وہ گوروں کے اس طبقے سے مختلف طبقہ ہیں جس نے توہین کا آغاز کیا یا جو توہین کے ذمہ دار ہیں، جسے ICERD اور CERD جرم قرار دیتے ہیں۔ شہریوں کو جو بنیادی آزادیاں اور انسانی حقوق ICCPR کے توسط سے حاصل ہیں، ''انسانی حقوق کی کمیٹی'' ان سے متعلقہ قوانین کی مفصل اور سیر حاصل توجیہ و توضیح کرتی ہے۔ اس کمیٹی نے ''فاریسن بنام فرانس'' کیس میں دیے جانے والے عدالتی فیصلے کی توثیق کی تھی۔ اس عدالتی فیصلے کے تحت ''یہودی مخالف کی دل جوئی اور انہیں سہارا دینے کے لیے ضروری ہے کہ ایسے بیانات کے اجرا پر پابندی عائد کر دی جائے جو یہود مخالف ہوں یا جن سے یہودیوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہو۔ اس طرح یہودیوں کو مذہبی منافرت کی دفعہ (۲) ۲۰ کے پس منظر میں کارفرما اصول بھی مذکورہ پابندی کی حمایت کرتا ہے۔ آزادی اظہار کے حق سے استفادہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بعض فرائض اور ذمہ داریاں اپنے ذمے لے لی جائیں''۔

''انسانی حقوق کی کمیٹی'' (HRC) نتیجہ اخذ کر چکی ہے کہ اس نوعیت کی پابندی ICCPR کی دفعہ ۱۹ کی خلاف ورزی نہیں کرتی۔ سوال یہ ہے کہ یورپی عدالتیں یہودیوں کو تو حق دیتی ہیں کہ ان کے خلاف بیانات جاری نہ کیے جائیں اور بڑے پرجوش انداز میں یہ اہتمام کیا جاتا ہے کہ ان کے مذہبی جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے۔ پھر مسلمانوں کو یہ حق دینے میں لیت ولعل سے کیوں کام لیا جاتا ہے؟ ''انسانی حقوق کی عالمی عدالت'' کے فیصلوں پر نظر ڈالی جائے تو مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

''اظہار رائے کی آزادی کا اطلاق ان معلومات و نظریات پر بھی برابر ہوتا ہے، جو ریاست میں انتشار یا عوام کے کسی طبقے میں اشتعال کا سبب بن سکتے ہوں۔ اجتماعیت اور برداشت کے یہی تقاضے ہیں، جن کے بغیر کسی معاشرے کو جمہوری

معاشرہ نہیں کہا جا سکتا۔'' (ہینڈی سائڈ کیس)

ڈائی چنڈ و دیگر بنام آسٹریا، کرتاس بنام ترکی، بیلڈ ٹ ٹرامز بنام ناروے جیسے مقدمات میں یورپی عدالتوں نے صحافیوں کو اشتعال انگیز حد تک مبالغے کی اجازت دے دی، تاہم ایک یورپی عدالت نے ''ونگروو بنام برطانیہ'' نام کے مقدمے میں مذکورہ بالا مقدمات کے فیصلوں سے مختلف فیصلہ بھی دیا، جس کے تحت ''جب دفعہ (۲)۱۰ کے تحت سیاسی تقاریر اور قابل اعتراض و متنازعہ سیاسی مباحث پر پابندی عائد نہ کی جا سکے تو عوامی مفاد کے پیش نظر آزادی اظہار کے حق کو محدود کیا جا سکتا ہے، بالخصوص جو مباحث ذاتی، اخلاقی یا مذہبی عقائد سے متعلق ہوں''۔

''اوٹو پریمنگر انسٹی ٹیوٹ بنام آسٹریا'' نام کے مقدمے میں بھی اسی اصول کی پیروی کرتے ہوئے عدالت نے لکھا کہ ''دفعہ ۹ کے تحت مذہبی جذبات کے احترام کی جو ضمانت فراہم کی گئی ہے، اس کے مطابق کسی بھی مذہب کی توہین پر مبنی اشتعال انگیز بیانات کو بدنیتی اور مجرمانہ خلاف ورزی قرار دیا جا سکتا ہے۔ جمہوری معاشرے کے اوصاف میں یہ وصف بھی شامل ہے کہ اس نوعیت کے بیانات، اقوال یا افعال کو تحمل، بردباری اور برداشت کی روح کے منافی خیال کیا جائے اور دوسروں کے مذہبی عقائد کے احترام کو صدفی صد یقینی بنایا جائے''۔

اگر کوئی کسی دوسرے کے مذہبی عقائد کی مخالفت کرے یا انہیں جھٹلائے تو عدالت ان پر پابندی عائد کر سکتی ہے کہ وہ ممکنہ حد تک ایسی گفتگو سے پرہیز کرے جو کسی دوسرے عقیدے یا مذہب کے ماننے والے کی دل آزاری کا باعث بنتی ہو۔ ''ڈیوبوسکا اور سکپ بنام پولینڈ ۴۰'' کیس میں اسی سوچ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے عدالت نے لکھا کہ:

''جن باتوں کو مذہب یا عقیدے کی رو سے مقدس یا قابل تعظیم سمجھا جاتا ہو، ان کی متشددانہ اشتعال انگیز تصویر کشی کو دفعہ ۹ کے تحت حاصل شدہ حقوق کی نفی اور خلاف ورزی سمجھا جائے گا۔ حکومت کا یہ مثبت فرض یا مثبت ذمہ داری ہے کہ اقلیتوں کے پختہ مذہبی عقائد کے تحفظ کا اہتمام کرے اور انہیں ہر قسم کے حملوں سے بچائے۔ قانون کے تحت حاصل شدہ کسی بھی مذہبی حق کا استعمال، اگر کسی فرد کے عقائد کی توہین کرتا ہو تو اس کی حدود کا تعین کرنے کے لیے ریاست کی مداخلت جائز ہوگی۔ ریاست کا فرض ہے کہ وہ شہریوں کے باہمی تعلقات میں مذہبی عقائد کی آزادی کے حق کے احترام کو بھی یقینی بنائے اور عوام اور ریاستی حکام کے باہمی مراسم کے تناظر میں بھی آزادی مذہب کے حق کو محترم جانے۔ اس ریاستی فرض کا ادراک برطانیہ میں اقلیتوں کے مذاہب کے فروغ میں (یورپی) کنونشن کو ممد بنا سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ مذکورہ فروغ کے عمل میں (یورپی) کنونشن کو اہم کردار سونپا جا سکتا ہے''۔ (دی اوٹو پریمنگر کیس)

انسانی حقوق کے حوالے سے اقوام متحدہ کی معاہداتی تنظیموں (CERD اور HRC) اور یورپی عدالتوں کے علاوہ فرانس، جرمنی، آسٹریا، اٹلی اور بعض دوسرے ممالک کی قانون ساز اسمبلیوں کے منظور شدہ قوانین نے ایک مخصوص فلسفہ قانون کو متشکل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان ممالک کی قوانین کی رو سے ''ہولوکاسٹ'' (ہٹلر کے ہاتھوں جرمنی میں تقسیم یہودیوں کا قتل عام) سے انکار اور اسے خلاف واقعہ قرار دینا جرم ہے۔ (اس طرح اظہار رائے کی آزادی پر پابندی عائد کر کے اس حق کو محدود کر دیا گیا ہے) اندریں حالات پیغمبر اسلام سے نفرت (نعوذ باللہ) پر مبنی مواد یا تصاویر (کارٹونوں) کی اشاعت کا متعلقہ ممالک کی حکومتوں، قانون ساز اسمبلیوں اور عدالتوں نے نوٹس کیوں نہیں لیا؟ (بے نیازی، سرد مہری

اور لاتعلقی) کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو عیسائیوں اور یہودیوں سے کمتر سمجھا جاتا ہے۔ کیا یہ امتیاز عدم مساوات کی نشاندہی نہیں کرتا؟

اگر اشتعال انگیز اور نفرت آمیز تصاویر کا کوئی نوٹس نہ لیا جائے اور انہیں نظر انداز کر دیا جائے تو نتیجتاً انتہائی سنگین اور متشدد تنازعات جنم لے سکتے ہیں۔ گزشتہ ایک عشرے کے دورانیے میں روانڈا اور بوسنیا کے انکوائری کمیشنوں اور ہیگ اور اروشا میں ''جرائم کے عالمی ٹریبونلز'' نے کئی مفصل شواہد ریکارڈ کیے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نفرت پر مبنی خیالات واحساسات کا اظہار زبان سے کیا جائے یا تحریر سے یا تصویر کشی کا سہارا لیا جائے اور میڈیا ان خیالات اور احساسات کو پھیلانے اور عام کرنے میں بھرپور (مگر منفی) کردار ادا کرے تو ہم انہیں انسانی حقوق کی شدید خلاف ورزی کی علامات قرار دے سکتے ہیں۔ اگر یورپی ممالک نے اپنے میڈیا کے توسط سے کیے جانے والے نفرت کے اظہار کی روک تھام نہ کی تو مغربی اور اسلامی تہذیبوں کے تصادم کے جانبدارانہ اور متعصّبانہ نظریات سچ ثابت ہو جائیں گے اور اس طرح ان نظریات کے داعی اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہریں گے، لہٰذا آزادی اظہار کے حق کا استعمال کرتے وقت ضروری ہے کہ اسے اخلاقی حدود وقیود میں رکھا جائے۔ یہی ''روشن خیال اعتدال پسندی'' کا اولین تقاضا ہے۔ عوامی مفاد کے پیش نظر بھی ایسا کرنا ضروری ہے۔

محولہ بالا فلسفہ ہائے قوانین کی روشنی میں یورپی ممالک میں موجود سماجی، فلاحی اور معاشرتی تنظیموں کو چاہیے کہ وہ ریاستی حکام، قانون ساز اسمبلی اور عدالتوں کی توجہ اس جانب مبذول کروائیں تاکہ یورپی یونین میں مقیم ڈیڑھ کروڑ مسلمان تارکین وطن توہین سے بچ جائیں اور ان کا مذہبی تقدس بھی مجروح نہ ہو۔ ڈنمارک کے وزیر اعظم راس مسن سے خصوصی درخواست کی جائے کہ وہ انسانی حقوق کے قوانین کے حوالے سے اپنے عالمی فرائض سے عہدہ برآ ہوں۔ امریکہ کا اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اور یورپی اخبارات زیر بحث کارٹونوں کی اشاعت کی مذمت کر چکے ہیں۔ مزید برآں امریکی اور برطانوی اخبارات نے ان کی دوبارہ اشاعت سے اجتناب برتنے کا جو عندیہ دیا ہے، وہ بھی خوش آئند ہے۔ یہ طرز عمل اسلامی دنیا کے مذہبی جذبات کے احترام کے مترادف ہے۔

مغرب میں بعض اوقات یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ اسلامی اقدار مغرب کی معاشرتی اقدار سے ہم آہنگ ہیں یا نہیں؟ ہاں! اساسی اعتبار سے دونوں ایک ہیں، لیکن دونوں میں بعض نمایاں اور واضح اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً مغربی معاشرے میں شہریوں کو اظہار رائے کی مادر پدر آزادی حاصل ہے، وہ دوسروں کے عقائد کا جس طرح چاہیں، مضحکہ اڑا سکتے ہیں، لیکن اسلامی معاشروں میں اس چیز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

انسانی حقوق کے متعدد معاہدوں میں مسلمان ممالک فریق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شہری، سیاسی، اقتصادی، سماجی اور ثقافتی حقوق کے عالمی معاہدات، عورتوں کے ساتھ منفی امتیاز کے امتناع کا معاہدہ، ہر قسم کے نسلی امتیاز (تعصّبات) کے خاتمے کا عالمی معاہدہ، بچوں کے حقوق کا عالمی معاہدہ اور بعض دیگر معاہداتی دستاویزات کے ذریعے ''انسانی حقوق کے بین الاقوامی اعلامیے'' کے پس پردہ کارفرما اصولوں کو قانونی ضوابط کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ اسی طرح ریاستوں کو پابند کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنے انتظامی، قانونی اور تعزیری قوانین کے نفاذ میں بھی عالمی معیار ہی کو پیش نظر رکھیں۔

یہ درست ہے کہ بعض ممالک ان دستاویزات کی کئی شقوں کے بارے میں تحفظات کا شکار ہیں۔ان میں مغرب، ایشیا، افریقہ، لاطینی امریکہ کے کچھ ممالک شامل ہیں۔ان معیارات پر عمل درآمد کے وقت بعض ممالک اپنے فرائض کی کماحقہ ادائیگی میں قاصر رہتے ہیں۔یہ CERD یا HRC جیسے نگران اداروں اور یا پھر ان مانیٹرنگ کمیٹیوں کا کام ہے جن کا انتخاب جغرافیائی اعتبار سے مساویانہ ہونا چاہیے۔

صرف یہ کہہ دینا اختلافات کو ہوا دینے اور سنگین تر کرنے کے مترادف ہے کہ دونوں تہذیبوں اور دونوں ثقافتیں ہم آہنگی کے فقدان کا شکار ہیں۔اس نوعیت کے اظہار رائے میں اس مسئلے کا حل مضمر نہیں۔مسلمان ریاستوں پر یہ تنقید بے جا اور غیر حقیقت پسندانہ ہے کہ وہ مغربی اقدار سے مکمل سمجھوتہ نہیں کر رہیں۔دو مختلف تہذیبوں کے ساتھ ان کی تاریخی وابستگی کو پیش نظر رکھا جائے تو مطالبہ احمقانہ نظر آئے گا۔مثال کے طور پر اگر مغرب مسلمان ممالک سے یہ توقع کرے کہ وہ اظہار رائے کی آزادی کو کاملاً قبول کر لیں اور اس بات کو پیش نظر نہ رکھیں کہ وہ آزادی ان کے مذہبی شعور واحساس کو کتنے شدید دھچکوں سے دوچار کرتی ہے، حتیٰ کہ وہ ایسی ہستیوں کی توہین بھی برداشت کر لیں جو ان کے نزدیک مقدس ترین اور حد درجہ قابل احترام ہیں تو ناقدین آگاہ رہیں کہ کوئی اسلامی ریاست اس نوعیت کی آزادی سے استفادہ نہیں کرے گی اور پھر مغربی معاشرت میں بھی اس قسم کی آزادی تضادات کا شکار ہے اور مغربی ممالک نے اس حوالے سے دوہرے معیار اپنا رکھے ہیں۔

اسلام کے خلاف دریدہ دہنی کے چیلنج سے نمٹنا مقصود ہے تو مسلمان دنیا کو چاہیے کہ اپنے جائز غم وغصے کو متشددانہ انداز میں ظاہر کرنے کی بجائے مغرب کے ساتھ دانشورانہ مباحث کی راہ اپنائے۔مسلمانوں کی اپنے نبی ﷺ کے ساتھ وابستگی اور عقیدت کسی سے ڈھکی چھپی ہرگز نہیں، جنہوں نے متعدد ستم اٹھائے، کئی صعوبتیں برداشت کیں، لیکن اپنے نیک مقاصد کو ترک نہ کیا اور بالآخر مکہ میں ایک فاتح کے طور پر داخل ہوئے اور انتقام کی راہ سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف کر دیا۔ایک عظیم الشان فاتح ہو کر بھی انہوں نے عفو درگزر کی ایسی مثال قائم کر دی جس کی ماضی قریب یا بعید میں کوئی نظیر دستیاب نہ تھی۔لہٰذا امت مسلمہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ دلی، ذہنی اور جذباتی وابستگی کا اظہار کرتے وقت ان کی سنت کو ترک نہ کریں اور اگر انتہائی غیر ذمہ دارانہ انداز میں توہین آمیز اور لڑنے مرنے پر اکسانے والے حملے کیے جائیں تو بھی وہ اپنی صفوں میں اتحاد اور نظم وضبط کی کمی نہ آنے دیں۔

(بشکریہ روزنامہ 'پاکستان' لاہور)

ابو محمد عُبادہ☆

عظمتِ رسول ﷺ اور انسانی حقوق

''موجودہ انسانی مصائب سے نجات ملنے کی واحد صورت یہی ہے کہ محمد (ﷺ) اس دُنیا کے حکمران (رہنما) بنیں۔'' یہ مشہور مغربی مفکر جارج برناڈ شا کا قول ہے اور یہ نبی اکرم ﷺ کی ذات والا صفات کے بارے میں غیر متعصب اور غیر مسلم محققین اور مفکرین کی بے شمار آرا میں سے ایک ہے۔ جارج برناڈ شا اُن لوگوں میں سے ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہیں لائے، پھر بھی وہ آپ ﷺ کی عظمت کو تسلیم کرتا دکھائی دیتا ہے۔ آپ ﷺ کی سچائی اور صداقت کا اعتراف صرف عرب تک محدود نہیں رہا بلکہ ساری دنیا کے دانشور اور مفکر جو اسلام کے ماننے والے بھی نہیں ہیں، وہ بھی حضور ﷺ کی عظمت و رفعت کا برملا اعتراف کرنے اور آپ ﷺ کی حمد و تعریف پر مجبور ہیں۔ کارلائل، نپولین، والٹر، روسو، ویلز، ٹالسٹائی، گوئٹے، لین پول اور دیگر بے شمار دانشور آپ ﷺ کی شان میں رطب اللسان ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حقوق انسانی یا آزادی صحافت کی آڑ میں، عالمی سطح پر ایک معتبر اور تسلیم شدہ ہستی، بے داغ کردار والی شخصیت اور انسان کامل کا سوقیانہ انداز میں ذکر اور کسی بھی استہزائی پیرایے میں اس پر اظہار خیال کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا کسی ایسی قبیح حرکت کو محض چند نام نہاد اصطلاحوں کے پردے میں سند جواز دی جا سکتی ہے؟ بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ ہر مذہب وفکر ونظریہ کے غیر متعصب عالمی دانشور اس شخصیت کو انسانیت کا نجات دہندہ، بہترین انسان اور رہنما تسلیم کرنے میں ہچکچاتے نہ ہوں اور ایسی شخصیت نبی کی ہو، اربوں انسان اس کے پیروکار ہوں اور اس ذات گرامی سے غیر مشروط وابستگی، عشق اور شیفتگی رکھتے ہوں؟

عظمتِ رسول ﷺ کا تصور امّتِ مسلمہ کے ہر فرد کی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہا ہے۔ مسلمانوں کا یہی جذبہ اور اپنے نبی ﷺ سے والہانہ لگاؤ ہی غیر مسلم اقوام کے دلوں میں کانٹا بن کر چُبھتا چلا آ رہا ہے۔ غیر مسلم اقوام کسی نہ کسی طریقے اور مختلف حیلوں اور بہانوں سے امت مسلمہ کے افراد کے دلوں میں حُبِّ رسول ﷺ کو کم سے کم کرنے کے درپے رہتی ہیں۔ دُور نہ جایئے، گزشتہ چند سالوں کے عالمی واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آج کے مہذب دور میں خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ اور دین اسلام کے بارے میں ایک نیا عالمی انسانی اور مذہبی روّیہ تخلیق کرنے کی سازش ہو رہی ہے۔ غیر مسلم ذرائع

aahaqqani@hotmail.com☆

ابلاغ اسلام کے خلاف میڈیائی جارحیت سے مسلح نظر آتے ہیں۔

آج کا دانشور یہ کہہ رہا ہے کہ انسانی حقوق، انسانوں کی برابری کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ انسانی برادری اور انسانوں کے مابین تفریق کو ختم کرنے کا مسئلہ ہے۔ کسی دوسرے انسان کے حقوق کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی قدر و قیمت اس کے انسانی اوصاف کی بنا پر ہونی چاہیے نہ کہ اس کی شخصیت کی بنا پر۔ اس میں ظاہری حد بندیوں، اختلافات اور نظریاتی کشمکش کی عمل داری نہیں ہونی چاہیے۔ حقوق انسانی کے علم برداروں کی یہی دلیل برملا تقاضا کرتی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ دُنیا کی سب سے بلند، اعلیٰ اور بہترین ہستی ہیں اور آپ کے انسان کامل اور سب سے بہترین انسان ہونے پر دُنیا کا اجماع اور اتفاق ہے تو پھر وہ کون سی بات ہے جو مخالفین اور اسلام دُشمنوں کو آپ ﷺ کی توہین پر آمادہ کرتی ہے؟ اور کیا ایسے بدبخت اشخاص کسی قسم کی رعایت کے مستحق ہو سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کسی کا استحقاق ملحوظ خاطر نہ رکھنے والوں کا نہ کوئی استحقاق ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی حق۔ ایسے افراد ملعون ہوتے ہیں اور انسانیت کے نام پر دھبہ۔

اس ضمن میں اپنوں کی کوتاہیوں اور بھول پن کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے لیے خوشی، غمی اور اپنے جذبات کے اظہار کا بھی ایک طریق کار ہے جو ہمیں تعلیمات اسلام اور نبی پاک ﷺ کے عمل اور اسوہ مبارکہ سے حاصل ہوا ہے۔ اس کا برملا تقاضا ہے کہ امت مسلمہ اپنے نقطہ نظر کو پیش کرتے وقت حکمت اور موعظہ حسنہ سے کام لے اور بہترین انداز اور طریقہ اختیار کرے۔ یہی سنت رسول ﷺ اور حکمِ رسول ﷺ ہے۔ مسلم ممالک کی حکومتوں، دانش مندوں، اہل علم و فکر اور مقتدر طبقات کی ذمہ داریوں کا تقاضا ہے کہ وہ انسان کامل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت اور تقدس مآبی پر انگشت نمائی کرنے والوں کے ہوش، نہایت حکمت اور تدبر سے ٹھکانے پر لانے کا اہتمام کریں۔ ہمیں جان لینا چاہیے کہ آج علم اور دلیل کی دُنیا اور جمہوریت کا دور ہے۔ ایسے میں ہم مسلمانوں کو جوش کے ساتھ ساتھ ہوش کی بھی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔

ہمیں نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو مغرب اور غیر مسلم دُنیا کے سامنے پیش کرتے وقت اعلیٰ اسلامی تعلیمات کو اجاگر کرنا ہوگا۔ اس حوالے سے عالمی سطح پر یہ واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام ایک مکمل دین ہے۔ اسلام میں حقوق انسانی کا جس انداز میں خیال رکھا گیا ہے، دوسرے مذاہب اور نظریات اور نام نہاد خود ساختہ اصطلاحات اس سے عاری دکھائی دیتی ہیں۔ مادر پدر آزادی نہ انسان کا حق ہے اور نہ ہی حیوانوں جیسی آزادی سے اس کو منزلِ مقصود حاصل ہو سکتی ہے۔ اسلام سلامتی، خیر خواہی، محبت و اخوت اور امن و سکون کا دین ہے۔ تعلیمات قرآن اور نبی پاک ﷺ کی سیرت مطہرہ اس کا عملی مظہر ہیں۔ ذات رسول ﷺ جسے خالق کائنات نے تمام جہانوں اور سب دنیاؤں کے لیے رحمت قرار دیا ہے، وہ بنیادی کلید ہے جو گلوبلائزیشن کے دَور سے گزرتی ہوئی انسانیت کے لیے راہبری و رہنمائی کا کام دے سکتی ہے۔

حافظ محمد سمیع اللہ فراز☆

طباعتِ قرآن میں رسمِ عثمانی کا التزام

کلماتِ قرآنیہ کی کتابت کا ایک بڑا حصہ تلفظ کے موافق یعنی قیاسی ہے، لیکن چند کلمات تلفظ کے خلاف لکھے جاتے ہیں۔ کیا مصاحف کی کتابت وطباعت میں رسمِ عثمانی کے قواعد وضوابط کی پابندی واجب ہے اور کیا رسمِ قرآنی اور رسمِ قیاسی کے مابین یہ فرق واختلاف باقی رہنا چاہیے؟ اس سوال کے حوالے سے علماے رسم اور مورخین کے ہاں دو زاویہ ہائے فکر پائے جاتے ہیں:

جمہور علما کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآنی رسم کی قدامت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اس میں کسی تبدیلی کی گنجایش نہیں اور طباعتِ مصاحف میں اِسی کی پابندی لازمی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام ﷺ نے رسم عثمانی کو اختیار کرنے پر اتفاق کیا ہے اور صحابہ کا اتفاق اُسی معاملہ پر ممکن ہوسکتا ہے جو اُن کے ہاں متحقق ہو کر واضح ہو چکا ہو۔ (۱)

فکر کا دوسرا زاویہ یہ ہے کہ عوام کے لیے رسمِ عثمانی کے مطابق لکھے ہوئے مصاحف میں قراءتِ قرآن کے لحاظ سے کئی مفاسد ہیں، اس لیے عوامی سطح پر اس رسم الخط کو ترک کر دینا چاہیے، البتہ خواص کے لیے اس کی گنجایش باقی رہنی چاہیے۔

ذیل میں ہم ان دونوں نقطہ ہائے نظر اور ان کے استدلالات کا ایک مطالعہ پیش کریں گے۔

رسمِ عثمانی کا اِلتزام

رسمِ عثمانی کے مجمع علیہ ہونے میں کسی کا اختلاف منقول نہیں کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ مصاحفِ عثمانیہ کی کتابت کرتے ہوئے بارہ ہزار ۱۲۰۰۰ صحابہ ﷺ نے اتفاقِ رائے سے اِس رسم کو صحیح اور درست قرار دیا (۲)۔ مصر کے شیخ القراء محمد بن علی حداد نے اپنے رسالہ "النصوص الجليلة" میں رسمِ عثمانی کے اتباع کو بارہ ہزار صحابہ کرام ﷺ کے اجماع سے ثابت کیا ہے۔ (۳)

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق خلفاے راشدین ﷺ کی سنت بھی قابلِ اتباع ہے اور اس کی پیروی ہر مسلمان پر لازم ہے۔ دلیل مذکور کی بنیاد پر چونکہ رسمِ عثمانی صحابہ ﷺ کا مجمع علیہ ہے، لہٰذا اِس کی اتباع اور اقتدا کا حکم تمام دیگر نظریات کے مقابلہ میں راجح ہے۔ علامہ ابوطاہر السندیؒ رسمِ عثمانی پر لوگوں کے تعامل کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

☆ لیکچرر علومِ اسلامیہ، ورچوئل یونیورسٹی آف پاکستان۔ samiullahfraz@hotmail.com

".....وتقلدت الأمة رسمها ، واشتهرت كتابتها بالرسم العثماني، وأجمع الصحابة رضى الله عنهم على ذلك الرسم ولم ينكر أحد منهم شيئا منه وإجماع الصحابة واجب الإتباع۔ ثم استمرّ الأمر على ذلك، والعمل عليه فى عصور التابعين والأئمة المجتهدين، ولم ير أحد منهم مخالفة وفى ذلك نصوص كثيرة لعلماء الأئمة"۔(۴)

یعنی امت نے اسی رسم کی تقلید کی ہے اور اسی میں مصحف کی کتابت کا عام رواج ہوا۔ صحابہ کرام ﷺ کا اس رسم پر اجماع ہوا اور ان میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا اور صحابہ کرام ﷺ کا اِجماع واجب الاتباع ہے۔ پھر یہی طریقہ رائج رہا اور تابعین اور ائمۂ مجتہدین کے ادوار میں اسی پر عمل رہا اور کسی نے اس معاملہ میں اختلاف کا خیال بھی نہیں کیا۔ اس پر علماے امت کے بہت سے اقوال موجود ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی زیر نگرانی ہونیوالی کتابت ہی صحابہ کرام ﷺ کے لیے قابلِ عمل تھی۔ اُنہی خصوصیاتِ رسم کے ساتھ عہدِ صدیقی اور پھر عہدِ عثمانی میں مصاحف تیار کروائے گئے۔ چنانچہ اسلام کے ابتدائی دور میں لوگوں کے لیے کتابتِ مصحف کا معیار رسمِ عثمانی تھا اور اکثر صحابہ ﷺ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ نے ہمیشہ رسمِ عثمانی کی موافقت کو ہی معیار سمجھا۔ ابن قتیبہؒ لکھتے ہیں:

"ولولا اعتياد الناس لذلك فى هذه الأحرف الثلاثة (الصلوٰة،الزكوٰة والحيوٰة) وما فى مخالفة جماعتهم لكان أحب الأشياء إلى أن يكتب هذا كله بالألف"۔(۵)

یعنی اگر ان تین کلمات صلوٰۃ، زکوٰۃ اور حیٰوۃ کا واؤ کے ساتھ املا لوگوں میں رائج نہ ہوتا اور ان کے اتفاق کی خلاف ورزی کا خدشہ نہ ہوتا تو میں ان کلمات کو الف سے لکھنا زیادہ پسند کرتا۔

ایک عرصہ تک اِسی طرح معاملہ چلتا رہا یہاں تک کہ علماے لغت نے فنِ رسم کے لیے ضوابط کی بنیاد رکھی اور قیاساتِ نحویہ وصرفیہ اِس غرض سے وضع کر دیے گئے تاکہ نظامِ کتابت اور تعلیمی سلسلہ میں کسی غلطی یا شبہ کا احتمال باقی نہ رہے۔ قواعدِ ہجا، قواعدِ املا، علم الخط القیاسی والاصطلاحی، یہ وہ سب نام تھے جو اِن قواعد کے لیے وضع کیے گئے۔ لوگوں نے عام لکھنے میں کلمات کے پرانے ہجا کو رفتہ رفتہ ترک کر دیا، لیکن مصاحف میں موجود الفاظ اپنی اُسی ہیئت وصورت میں رہے جس میں اُنہیں عہدِ عثمان ﷺ میں لکھا گیا تھا۔

مذاہب اربعہ کا موقف

مذاہبِ اربعہ کے تمام فقہاؒ نے مصحف کی کتابت اور طباعت میں رسمِ عثمانی کے التزام کی ضرورت پر زور دیا ہے اور اس کی مخالفت کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔ اِس پر علما کا اِجماع منقول ہے کہ رسمِ عثمانی کی مخالفت جائز نہیں: "ولا مخالف له فى ذلك من علماءِ الأئمة" (۶)۔ علامہ الحدادؒ کے بقول علما کا ہمیشہ رسمِ عثمانی پر اجماع رہا ہے اور اِس کی مخالفت کو اجماع سے روگردانی تصور کیا ہے:

"وما دام قد انعقد الإجماع على تلك الرسوم فلا يجوز العدول عنها الى غيرها، إذ لا

يجوز خرق الإجماع بوجه"۔(۷)

علامہ جعبریؒ نے 'روضة الطرائف فی رسم المصاحف فی شرح العقیلة' میں ائمۂ اربعہ کا یہی موقف نقل کیا ہے۔(۸)

مکاتب اربعہ کے فتاویٰ کی تفصیل حسب ذیل ہے

۱۔امام مالکؒ کا مسلک: وقت کے گزرنے کے ساتھ کتابتِ مصحف میں جب رسمِ عثمانی سے مختلف کلمات کا دخول شروع ہوا تو امام مالکؒ (۹۵ھ۔۱۷۹ھ) سے اس ضمن میں استفتا کیا گیا جس کو علامہ دانیؒ نے اِن الفاظ میں نقل کیا ہے:

".....فقیل له : أریت من استکتب مصحفًا الیوم أتری أن یکتب علیٰ ما أحدث الناس من الهجاء الیوم ؟ فقال: لا أری ذلك ، ولکن یکتب علی الکتبة الاولیٰ"۔(۹)

یعنی امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی شخص لوگوں میں مروّج ہجا پر مصحف کی کتابت کر سکتا ہے تو آپؒ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ نہیں، بلکہ اسے پہلے طریقے پر ہی لکھنا چاہیے۔امام مالکؒ کے اِس قول کے متصل بعد علامہ دانیؒ نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ کے اِس قول سے کسی نے اختلاف نہیں کیا:"ولا مخالف له فی ذلك من علماء الامة" ۔امام سخاویؒ نے امام مالکؒ کے قول پر"والذی ذهب الیه مالك هو الحق" کے الفاظ میں تبصرہ کیا ہے۔(۱۰)

۲۔ رسمِ عثمانی کے التزام کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴ھ۔۲۴۱ھ) کا موقف بیان کرتے ہوئے علامہ زرکشیؒ لکھتے ہیں:

"تحرم مخالفة مصحف الإمام فی واوٍ أو یاءٍ أو ألفٍ أو غیر ذلك"۔(۱۱)

ڈاکٹر عبدالوہاب حمّودہ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فإذا عرفنا أن الإمام مالکاً ولد سنة ۹۳ ھ وتوفی سنة ۱۷۹ ھ علی الصحیح، وأن الإمام أحمد ولد سنة ۱٦٤ ھ وتوفی سنة ۲٤۱ھ فهمنا أن الأمة فی القرنین قد أدرکت مخالفة الرسم العثمانی لقواعد کتاباتهم ، ورغبوا فی کتابة المصاحف علی القواعد الکتابیة، فاستفتوا الإمام مالکا فلم یفتهم بجواز ذلك ، وما علینا إلا اتباعهم والإقتداء بهم"۔(۱۲)

یعنی ہم جانتے ہیں کہ امام مالکؒ ۹۳ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں وفات ہوئی اور امام احمدؒ ۱۶۴ھ میں پیدا جبکہ ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں ہی لوگوں نے قواعدِ کتابت میں رسمِ عثمانی کی مخالفت شروع کر کے عام قواعدِ کتابت پر مصاحف کی کتابت کی طرف رغبت کی۔جب امام مالکؒ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے عام قواعدِ کتابت کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا۔اب ہمارے اوپر ان کا اتباع اور ان کے قول کی پیروی لازم ہے۔

۳۔شافعی فقہا کا مسلک یہ ہے:

"وجاء فی حواشی المنهج فی فقه الشافعیة مانصه: کلمة الربا تکتب بالواو

والألف كما جاء فی الرسم العثمانی، ولا تکتب فی القرآن بالیا أو الألف لأن رسمه سنة متبعة"۔ (۱۳)

یعنی 'ربوا' کا لفظ اسی طرح واؤ اور الف سے لکھنا چاہیے جیسے رسم عثمانی میں لکھا جاتا ہے۔ اس کو یا، یا الف سے نہیں لکھنا چاہیے کیونکہ رسم عثمانی کی پیروی ہمیشہ سے کی جا رہی ہے۔

۴۔ احناف کی رائے یہ ہے:

"وجاء فی المحیط البرهانی فی فقه الحنفیة مانصه: إنه ینبغی ألّا یکتب المصحف بغیر الرسم العثمانی"۔ (۱۴)

یعنی رسم عثمانی سے ہٹ کر مصحف کی کتابت درست نہیں۔

مذکورہ بالا اقوال اس بات کے شاہد ہیں کہ مسالک اربعہ کے تمام فقہا رسمِ عثمانی کے التزام کے بارے میں متفقہ موقف رکھتے ہیں۔

التزامِ رسم پر سلفؒ کے اقوال

علامہ عبدالواحد بن عاشر الاندلسیؒ اپنی تصنیف "تنبیه الخلّان علی الأعلان بتکمیل مورد الظمآن" کا آغاز درجِ ذیل خطبہ سے فرماتے ہیں:

"الحمد لله الذی رسم الآیات القرءانیة علی نحو ما في المصاحف العثمانیة، الواجب اتباعها في رسم کل قراءة متواتر عن خیر البریة"۔ (۱۵)

قولِ باری تعالیٰ ﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ (۱۶)﴾ کی تفسیر میں علامہ زمخشریؒ لکھتے ہیں:

"وقعت اللام فی المصحف مفصولة عن هٰذَا خارجة عن أوضاع الخط العربی وخط المصحف سنة لا تغیر"۔ (۱۷)

یعنی مصحف میں حرفِ لام (ل)، کلمہ 'هٰذا' سے علیحدہ لکھا گیا ہے جو عام رسم الخط کے خلاف ہے، لیکن مصحف کے رسم الخط کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ سیوطیؒ نے امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) کا "شعب الایمان" میں وارد قول اِن الفاظ میں نقل کیا ہے:

"من کتب مصحفاً فینبغی أن یحافظ علی الهجاء الذی کتبوا به هذه المصاحف، ولا یخالفهم فیه ولا یغیر مما کتبوا شیئا، فإنهم کانوا أکثر علماً، وأصدق قلباً ولساناً، وأعظم أمانة مِنّا فلا ینبغی أن نظن بأنفسنا استدراکا علیهم"۔ (۱۸)

یعنی جو شخص بھی مصحف لکھے تو اسے چاہیے کہ وہ سلف صحابہ ﷺ وتابعینؒ کے ہجا کا لحاظ رکھے، اُن کی مخالفت نہ کرے، کسی چیز کو اُن کی کتابت کے ساتھ تبدیل نہ کرے، کیونکہ وہ علم، قلب ولسان کی سچائی اور ایمانداری میں ہم سے بدرجہا بڑھ کر ہیں۔

محمد غوث الدین ارکاٹیؒ نے رسمِ عثمانی کے التزام کے بارے میں مُلّا علی القاریؒ کا حسبِ ذیل قول نقل کیا ہے:

"والذی ذهب الیه مالك هو الحق، إذ فیه بقاء الحالة الأولی، إلی أن تعلّمها

الطبقة الأخرى بعد الأخرى، ولا شك أن هذا هو الأحرى، إذ فی خلاف ذلك تجهيل الناس بأولية ما فی الطبقة الأولی"۔(۱۹)

علامہ نظام الدین نیشاپوریؒ التزامِ رسم کے بارے میں فرماتے ہیں:

"إن الواجب علی القراء والعلماء وأهل الكتاب أن يتبعوا هذا الرسم فی خط المصحف، فإنه رسم زيد بن ثابت، وكان أمين رسول اللّٰه ﷺ وكاتب وحيه، وعَلِم من هذا العلم، بدعوة النبی ﷺ ما لم يعلم غيره، فما كتب شيئا من ذلك إلا لعلّة لطيفة وحكمة بليغة"۔(۲۰)

یعنی مصحف لکھنے کے لیے قرّاء اور علما پر اِس رسم کا اتباع لازم ہے کیونکہ یہی وہ رسم ہے جس کو امینِ رسول اور کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہر کسی کی نسبت اس سے مکمل طور پر واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے جو بھی لکھا، وہ کسی لطیف علت اور بلیغ حکمت کی بنیاد پر ہی لکھا ہے۔

علامہ ابوطاہر السندی نے رسمِ عثمانی کے التزام کی چار وجوہ بیان فرمائی ہیں:

"الراجع من ذلك قول الجمهور، وذلك لوجوه: ۱۔إن هذا الرسم الذی كتب به الصحابة القرآن الكريم حظي بإقرار الرسول ﷺ، واتباع الرسول ﷺ واجبٌ علی الأمة۔ ۲۔أجمع عليه الصحابة ولم يخالفه أحد منهم ،وكان هذا الانجاز الكبير الأمة لقوله ﷺ:(عليكم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدی) ۔ ۳۔ أجمعت عليه الأمة منذ عصور التابعين، وإجماع الأمة حجة شرعية، وهو واجب الاتباع لأنه سبيل المومنين، قال تعالیٰ: ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدیٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَ تْ مَصِيرًا﴾۔ ٤۔ للرسم العثمانی فوائد مهمة، ومزايا كثيرة، خاصة أنه يحوی علی القراءات المختلفة، والأحرف المنزلة ، ففي مخالفته تضييع لتلك الفوائد وإهمال لها"۔(۲۱)

یعنی جمہور کا مذہب التزام راجح ہے اور اس کی حسبِ ذیل وجوہ ہیں:

اولاً، رسول اللہ ﷺ کی تقریر کے باعث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی رسم میں قرآن مجید کی کتابت کی اور رسول اللہ ﷺ کا اتباع امت پر واجب ہے۔ ثانیاً، اسی رسم پر عہدِ خلفا میں جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع منعقد ہوا، کسی ایک صحابی سے بھی اس کی مخالفت منقول نہیں۔ چنانچہ خلفاے راشدین کا اتباع بھی امت پر واجب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''تم پر میری اور میرے بعد میرے خلفاءِ راشدین مہدیین کی سنت لازم ہے''۔ ثالثاً، زمانۂ تابعینؒ سے امت کا اسی رسم پر اجماع ہے۔ امت کا اجماع حجتِ شرعی اور مسلمانوں کے لیے واجب العمل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس نے ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی اور مومنین کے راستے سے ہٹ کر چلا تو ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے اور اس کو جہنم میں ڈالیں گے، اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ رابعاً، رسمِ عثمانی کے بہت سے فوائد ہیں، خصوصاً یہ کہ اس میں مختلف قراءات اور

منزل من اللہ حروف شامل ہو سکتے ہیں۔ اس رسم کی مخالفت سے یہ تمام فوائد متروک ہو جاتے ہیں۔

التزامِ رسمِ عثمانی کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ کردیؒ لکھتے ہیں:

"فخلاصة ما تقدم أن الواجب علينا اتباع رسما المصحف العثماني وتقليد أئمة القراءات خصوصاً علماء الرسم منهم، والرجوع إلى دواوينهم العظام كالمقنع لأبى عمرو الدانى والعقيلة للشاطبى، فإن ائمة القراءات المتقدمين قد حصروا مرسوم القرآن الكريم كلمة كلمة على هيئة ما كتبه الصحابة فى المصاحف العثمانية، ونقلوا ذلك بالسند المتصل عن الثقات العدول الذين شاهدوا تلك المصاحف"۔ (۲۲)

یعنی رسمِ مصحفِ عثمانی کے ساتھ ساتھ ائمۂ قراءات خصوصاً علماءِ رسم کا اتباع ہم پر واجب ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ اس معاملہ میں ہم ان کی عظیم تصانیف کی طرف رجوع کریں جیسے علامہ دانیؒ کی المقنع اور علامہ شاطبیؒ کی تصنیف العقیلہ وغیرہ۔ بے شک متقدمین ائمۂ قراءات نے قرآنی کلمات میں سے ایک ایک کلمہ کا رسم اور اس کے احکام بیان کیے ہیں جیسا کہ صحابہ کرام ؓ نے مصاحفِ عثمانیہ میں اِن کلمات کو کتابت فرمایا۔ مزید برآں قرّا نے ثقہ وعادل اور مصاحفِ عثمانیہ کے عینی شاہدین سے سندِ متصل کے ساتھ اِس رسم کو نقل فرمایا۔

فقہا اور مفسرین کے علاوہ اہلِ لغت نے بھی ہمیشہ رسمِ عثمانی کے التزام کو اختیار کیا ہے اور اسی کا حکم دیا ہے۔ ڈاکٹر لبیب السعید نے ''دار الکتب والوثائق القومیۃ قاہرہ'' میں موجود علامہ ابو البقاء العکبریؒ کے مخطوط "اللباب فى علل البناء والإعراب" کے ورق: ۳۰ سے اُن کا ایک اقتباس نقل کیا ہے کہ اہلِ لغت کی ایک جماعت بھی یہی سمجھتی ہے کہ کلمہ کی کتابت اُس کے تلفظ کے مطابق ہونی چاہیے لیکن قرآنی رسم اس سے مستثنیٰ ہے:

"ذهب جماعة من أهل اللغة إلى كتابة الكلمة على لفظها إلا فى خط المصحف، فإنهم اتبعوا فى ذلك، ما وجدوه فى الإمام ـ والعمل على الأول"۔ (۲۳)

رسمِ عثمانی کے التزام کے بارے میں محقق مناع القطان کی رائے حسبِ ذیل ہے:

"والذى أراه أن الرأي الثانى هو الرأي الراجح، وأنه يجب كتابة القرآن بالرسم العثمانى المعهود في المصحف.....ولو أبيحت كتابته بالاصطلاح الأملائي لكل عصر لأدى هذا إلى تغيير خط المصحف من عصر لآخر، بل إن قواعد الإملاء نفسها تختلف فيها وجهات النظر في العصر الواحد، وتتفاوت في بعض الكلمات من بلد آخر"۔ (۲۴)

یعنی میرے خیال میں التزامِ رسمِ عثمانی کی رائے راجح ہے اور اب قرآن مجید میں رسمِ عثمانی کے مطابق کتابت ہونی چاہیے۔ اگر مروّجہ املائی کتابت کے ساتھ قرآن مجید لکھنے کی اجازت دے دی جائے تو ہر زمانہ میں قرآن مجید کا رسم دوسرے زمانہ سے مختلف ہوگا، بلکہ قواعدِ املائی خود ایک ہی زمانہ میں مختلف جہات سے متغیر ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ایک شہر کے

مصاحف کے کلمات دوسرے شہر کے مصاحف سے مختلف ہوں گے۔

مذکورہ اقوال کے علاوہ یہ بات بھی نہایت اہم ہے کہ جس طرح دیگر اسلامی علوم اور ورثہ کی حفاظت مسلم معاشرہ پر ضروری ہے، اسی طرح قرآن مجید سے منسوب ایک رسم اور طرزِ کتابت کی حفظ وصیانت بطریقِ اولیٰ لازمی امر ہوگا۔ (۲۵)

دورِ جدید کے علما کے فتاویٰ جات

مصری تحقیقی جریدے ''المنار'' نے ۱۹۰۹ء میں محمد رشید رضا کا فتویٰ شائع کیا جس میں ملا صادق الایمانقولی القزانی نے، جو کہ روسی ممالک میں طباعتِ مصاحف کے سلسلہ میں رسمِ مصاحف کی کمیٹی کے تفتیشی سربراہ تھے، حسبِ ذیل استفتا کیا:

''هل يجب اتباع الرسم العثماني في كتابة المصحف؟ أم هل تجوز مخالفته للضرورة التي من أمثلها: كلمة (ءاتٰن) في الآية ٣٦ من سورة النمل، حيث كُتبتْ في المصحف العثماني بغير ياء بعد النون۔ وكلمات: (الأعلام) و(الأحلام) و(الأقلام) و(الأزلام) و(الأولاد)، حيث كُتبت ايضًا في بعض المصاحف بحذف (الألف) بعد اللام؟''۔ (۲۶)

یعنی کیا مصحف کی کتابت کے دوران رسمِ عثمانی کی اتباع واجب ہے؟ کیا کسی ضرورت کے تحت اس کی مخالف جائز ہے؟ مثلاً: کلمہ (ءاتٰن) مصحفِ عثمانی میں نون کے بعد بغیر یاء کے لکھا ہے۔ اسی طرح دیگر کلمات مثلاً: (الأعلام) و(الأحلام) و(الأقلام) و(الأزلام) و(الأولاد) وغیرہ بعض مصاحف میں الف کے بعد لام کے حذف کے ساتھ مرسوم ہیں۔

اس کے علاوہ سائل نے محولہ بالا الفاظِ قرآنی میں الف کے بارے میں یہ وضاحت پیش کی کہ روسی شہر پیٹرزبرگ (بترسبورج) کے ''مکتبۂ امبراطوریہ'' میں محفوظ مصحفِ عثمانی میں ان تمام الفاظ (الأعلام)، (الأحلام)، (الأقلام)، (الأزلام) اور (الأولاد) میں 'الف' محذوف ہیں۔ (۲۷)

رسمِ مصحف کے متعلق صفر ۱۳۶۸ھ کے مجلّہ الازہر ۱۹۳۷ء میں صادر ہونے والے مصری فتویٰ میں حسبِ ذیل الفاظ بھی تھے:

''أن المصاحف وخاصة في العصر الحديث مضبوطة بالشكل التام، ومذيلة ببيانات إرشادية تيسّر للنّاس إلى حدّ ما قراءة الكلمات المخالفة في رسمها للإملاء العادىّ، ثم إن رسم المصحف العثماني لا يخالف قواعد الإملاء المعروفة إلا في كلمات لا يصعب على أحد إذا لقنها أن ينطق بها صحيحة''۔ (۲۸)

یعنی دورِ حاضر میں خصوصاً تمام مصاحف حرکات واعراب کے لحاظ سے مکمل ہیں اور عام املا سے مخالف کلماتِ قرآنیہ کے بارے میں لوگوں کی آسانی کے لیے ممکنہ وضاحتی بیانات سے پُر ہیں۔ مزید برآں مصحفِ عثمانی کا رسم سوائے چند کلمات کے عام قواعدِ املا کے موافق ہے، تو ان چند کلمات کا کسی سے سیکھ کر ادا کرنا کچھ مشکل نہیں۔

علامہ محمد بن حبیب اللہ الشنقیطیؒ لکھتے ہیں:

" والذی اجتمعت علیه الأمة: أن من لا یعرف الرسم المأثور یجب علیه أن لا یقرأ فی المصحف ، حتی یتعلم القراءة علی وجهها ، ویتعلم مرسوم المصاحف"۔(۲۹)

یعنی اِس بات پر علماے امت کا اتفاق ہے کہ جو شخص قدیم رسمِ قرآنی سے واقفیت نہ رکھتا ہو، وہ مصحف سے دیکھ کر تلاوت نہ کرے یہاں تک کہ وہ قراءت کے ساتھ ساتھ مصاحف کے رسم کے بارے میں بھی تعلیم حاصل کرے۔

حافظ احمد یارؒ جامعۃ الازہر کی مجلس فتویٰ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''الازہر کی مجلس فتوی کی طرف سے ۱۳۵۵ھ میں (بذریعہ مجلۃ الازہر) یہ فتویٰ جاری ہوا تھا کہ رسمِ عثمانی کی پابندی کے بغیر قرآن کریم کی طباعت ناجائز ہے۔اس کے بعد سے طباعتِ مصاحف میں اس التزام کے بارے میں ایک تحریک سی پیدا ہوگئی ہے''۔(۳۰)

مفتیٔ ہند مولانا محمد غنیؒ (معدنی) نے ایک استفتا کا جواب حسبِ ذیل الفاظ سے ارشاد فرمایا:

"فإن الکتابة بخلاف المصاحف العثمانیة بدعة مذمومة وفعل شنیع باتفاق الأمة "۔(۳۱)

یعنی مصاحفِ عثمانیہ کے خلاف (مصاحف کی) کتابت، باتفاقِ اُمت قابلِ مذمت بدعت اور برا کام ہے۔

الغرض علماے سلف کی طرح دورِ جدید کے جیّد علما و محققین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ دورِ حاضر میں مصاحف کی کتابت وطباعت کے دوران رسمِ عثمانی کا اتباع ہی لازمی وضروری ہے۔

رسمِ عثمانی کے عدمِ التزام کا موقف

عربی زبان سمیت دنیا کی ہر زبان ارتقا کا سفر جاری رکھتے ہوئے اپنے اندر کئی تبدیلیوں کی متحمل رہتی ہے اور اس کا رسم الخط بھی جدّت کا متقاضی رہتا ہے۔مرورِ زمان کے ساتھ زبانوں اور ان کے رسم الخط کی تبدیلی کا لوگوں کے مزاج وفہم پر اثر انداز ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اِس پہلو کے پیش نظر بعض اہل علم نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ مصاحف کی طباعت و کتابت میں رسمِ عثمانی کی پابندی کو ترک کرتے ہوئے بعد کے ادوار میں منضبط ہونے والے عربی قواعدِ املا پر عملدرآمد ہونا چاہیے، کیونکہ کیونکہ قرآن کی تلاوت میں لوگوں کی آسانی کے لیے قدیم رسمِ قرآنی میں تبدیلی لازم ہے۔

علماے سلف میں سب سے پہلے سلطان العلماء العز بن عبد السلامؒ (م ۶۶۰ھ) نے اسی بنیاد پر رسمِ عثمانی سے اجتناب کی تلقین کی (۳۲)۔علامہ العز بن عبدالسلامؒ کے اِس موقف کو علامہ قسطلانیؒ (۳۳) اور علامہ الدمیاطیؒ (۳۴) کے علاوہ علامہ زرکشیؒ نے اِن الفاظ میں ذکر کیا ہے:

"قال الشیخ عزالدین بن عبد السلام : لا تجوز کتابة المصحف الآن علی الرسوم الأولیٰ باصطلاح الأئمة لئلا یوقع فی تغییر الجهال"۔(۳۵)

یعنی اب قرآن مجید کی کتابت ائمۂ رسم کے اختیار کردہ رسم الخط پر جائز نہیں کیونکہ اس سے جاہل لوگوں کے سنگین

غلطی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ واضح رہے کہ علامہ عزالدین بن عبدالسلامؒ امت کے معاملہ میں تیسیر وسہولت کے قائل تھے۔ جیسا کہ علامہ غانم نے اس کا ذکر کیا ہے:

"وليس غريبا على الإمام العز مثل هذا الرأي الذى تفرد به فهو صاحب نظرية المصالح، فالشريعة "كلها مصالح ، إمّا تدرا مفاسد أو تجلب مصالح"، وقد أداه اجتهاده أن فى مذهبه مصلحة وتيسيراً على الأمة"۔ (۳۶)

یعنی امام عزالدین بن عبدالسلامؒ کی یہ منفرد رائے باعث تعجب نہیں کیونکہ وہ نظریۂ مصالح کے علمبردار ہیں جس کی رو سے شریعت تمام کی تمام مصالح پر مبنی ہے، خواہ وہ مفاسد کو دور کرنے کا معاملہ ہو یا کسی مصلحت کے حصول کا۔ انہوں نے اپنے مذہب کے مطابق مصلحت اور امت پر آسانی کے پیش نظر اجتہادی موقف اختیار کیا ہے۔ تاہم علما میں کوئی قابلِ ذکر نام ایسا نہیں جس نے اس رائے سے اتفاق کیا ہو۔ چنانچہ رسمِ عثمانی سے پرہیز اور اس کے عدمِ التزام کا نظریہ صرف علامہ عزالدین بن عبدالسلام کے ایک قول کے سہارے پر کھڑا ہے جو کہ علماءِ امت کے اجماع کے مقابلے میں متروک العمل ٹھہرتا ہے۔

مذکورہ زاویہ نگاہ کے حامل بعض افراد نے قدرے اعتدال کا مظاہرہ کرتے ہوئے رسم عثمانی کی خلاف ورزی کو 'ضروری' کے بجائے صرف 'جائز' قرار دیا ہے۔ اِس ضمن میں سب سے پہلے قاضی ابوبکر الباقلانیؒ نے مستعمل طریقۂ املا میں مصاحف کی کتابت کے جواز کا فتویٰ دیا۔ ان کے نزدیک کسی دلیلِ قطعی سے امّت کے لیے کوئی متعین رسم الخط مخصوص ومشروع نہیں کیا گیا۔ علامہ زرقانیؒ نے الانتصار کے حوالے سے قاضی ابوبکر الباقلانیؒ کا درج ذیل قول نقل کیا ہے:

"وأما الكتابة فلم يفرض الله على الأمة فيها شيئا، إذ لم يأخذ على كُتّاب القرآن وخُطّاط المصاحف رسماً بعينه دون غيره أوجبه عليهم وترك ما عداه..... وكان الناس قد أجازوا ذلك وأجازو أن يكتب كل واحد منهم بما هو عادته ، وما هو أسهل وأشهر وأولىٰ، من غير تاثيم ولا تناكر، علم أنه لم يؤخذ فى ذلك على الناس حدٌّ مخصوص كما أخذ عليهم فى القراءة والأذان۔ والسبب فى ذلك أن الخطوط إنما هى علامات ورسوم تجرى مجرى الإشارات والعقود والرموز، فكل رسم دالٌّ على الكلمة مفيدٍ لوجه قراءتها تجب صحته وتصويب الكاتب به على أى صورة كانت۔ وبالجملة فكل من ادّعى أنه يجب على الناس رسم مخصوص وجب عليه أن يقيم لحجة دعواه۔ وانى له ذلك"۔ (۳۷)

علامہ زرقانی، مذکورہ رائے پر مناقشہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مذکورہ رائے کئی وجوہ سے قابلِ قبول نہیں۔ مثلاً علامہ باقلانیؒ کی رائے کے مقابلہ میں سنت اور اجماعِ صحابہ ﷺ کے علاوہ جمہور علما کے اقوال موجود ہیں۔ قاضی ابوبکرؒ کا یہ دعویٰ بھی درست نہیں کہ یہ سنت سے ثابت نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کتّابِ وحی کو اسی رسم الخط کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت ﷺ نے جمعِ ابی بکر ﷺ اور پھر جمعِ عثمانی میں اسی رسم کے موافق قرآن کی کتابت کی جس کو وہ عہدِ نبوی میں استعمال کرتے تھے۔ مزید برآں اس رائے کے خلاف اجماعِ صحابہ ﷺ کا انعقاد ہو چکا ہے اور اجماعِ صحابہ ﷺ کے خلاف کسی بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ (۳۸)

عبدالعزیز دباغؒ نے قاضی ابوبکرؒ کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے:

''قاضی ابوبکر کا یہ کہنا کہ رسم الخط کے اتباع کا وجوب نہ کتاب اللہ سے ثابت ہے، نہ کلام رسول سے، نہ اجماع سے، نہ قیاس سے، (لہٰذا اختیار ہے کہ جس طرح چاہے لکھے)، صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: جو کچھ بھی تم کو رسول ﷺ دیں، وہ لو اور جس سے منع فرمائیں، اس سے باز آؤ۔ اور یہ واضح ہو چکا کہ رسم الخط توقیفی ہے، صحابہ ؓ کا وضع کردہ نہیں (لہٰذا رسول ﷺ کا دیا ہوا ہے اور اس کا لینا واجب ہے)۔ اور اگر یہ شبہ کرو کہ حضرتؐ نے اس طریق پر کتابتِ قرآن کا حکم نہیں فرمایا، تو آپ کے زمانہ میں صحابہ ؓ کا اس طریق پر لکھنا اور حضرتؐ کا اس کو قائم و برقرار رکھنا ہی [سنتِ تقریری کے ذریعے] حکم کے درجہ میں ہے''۔ (۳۹)

جامعۃ الازہر کی مجلس فتویٰ نے بھی علامہ ابوبکر الباقلانیؒ کی رائے کو ضعیف قرار دیتے ہوئے کتابتِ مصحف میں رسمِ عثمانی کے التزام کا حکم دیا ہے:

"أما ما يراه أبو بكر الباقلانى من أن الرسم العثماني لا يلزم أن يتبع فى كتابة المصحف فهو رأي ضعيف۔ لأن الأئمة في جميع العصور المختلفة درجوا علىٰ التزامه في كتابة المصحف، ولأن سدّ ذرائع الفساد مهما كانت بعيدة أصل من أصول الشريعة الإسلامية التي تبني الأحكام عليها وما كان موقف الأئمة من الرسم العثماني إلا بدافع هذا الأصل العظيم مبالغة في حفظ القرآن وصونه"۔ (۴۰)

یعنی ابوبکر الباقلانیؒ کی کتابتِ مصحف میں رسمِ عثمانی کا اتباع لازم نہ ہونے کی رائے ضعیف ہے کیونکہ تمام ادوار میں علمائے امت نے کتابتِ مصحف کے لیے رسمِ عثمانی کے التزام کو ہی ترجیح دی ہے۔ ممکنہ فساد کے اسباب کا تدارک ہی شریعت کا اصل الاصول ہے، جس پر احکام کا مدار ہے۔ رسمِ عثمانی کے بعینہٖ التزام کے بارے میں ائمہ کا موقف بھی قرآن کی حفظ وصیانت کے اسی مقصدِ عظیم کے لیے ہے۔

قاضی ابوبکر الباقلانیؒ کے علاوہ علامہ ابن خلدون نے بھی رسمِ عثمانی کی مخالفت کو جائز قرار دیا ہے۔ مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

"ولا تلتفتن فى ذلك إلى ما يزعُمه بعض المغفّلين من أنهم كانوا محكمين لصناعة الخط، وأن ما يُتخيل من مخالفة خطوطهم لأصول الرسم ليس كما يُتخيّل، بل لكلها وجه.....الخ"۔ (۴۱)

لیکن علمائے رسم نے علامہ ابن خلدون کی رائے سے بھی اتفاق نہیں کیا۔ علامہ المارغنیؒ لکھتے ہیں:

"لا يجوز لأحد أن يطعن في شئ مما رسمه الصحابة فى المصاحف، لأنه طعن في مجمع عليه، ولأن الطعن في الكتابة كالطعن في التلاوة وقد بلغ التهور ببعض المؤرخين الى أن قال في مرسوم الصحابة ما لا يليق بعظيم علمهم الراسخ وشريف مقامهم الباذخ فإياك أن تغتر به"۔ (۴۲)

قاضی ابوبکر الباقلانیؒ اور علامہ ابن خلدون کے اقوال کی بنیاد پر بعض علما کا موقف ہے کہ خواص اور اہلِ علم کے لیے تو اس کا التزام ضروری ہے لیکن عوام کے لیے رسمِ عثمانی کی بجائے مروّجہ رسم میں مصاحف کی کتابت وطباعت جائز ہے۔(۴۳)

علامہ ابوطاہر السندیؒ اس نظریہ کے قائلین کا موقف نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وذهب بعض المتأخرين وبعض المعاصرين الى وجوب كتابة المصاحف للعامة بالقواعد الإملائية، ولكن تجب المحافظة عندهم على الرسم العثماني القديم كأثر من الآثار الإسلامية النفيسة الموروثة عن السلف الصالح، فمن ثَمّ تكتب مصاحف لخواص الناس بالرسم العثماني"۔ (۴۴)

یعنی بعض متاخرین اور دورِ حاضر کے محققین نے املا کے عام قواعد کے تحت مصاحف کی کتابت کو ضروری قرار دیا ہے، لیکن ان کے نزدیک قدیم رسمِ عثمانی کی حفاظت بھی ضروری ہے کیونکہ وہ ماثور اور پرانے اسلامی آثار میں سے سلفِ صالح کی ایک نفیس علامت ہے۔ چنانچہ خاص لوگوں کے لیے رسمِ عثمانی کے مطابق ہی مصاحف لکھے جائیں۔

علامہ عبدالعظیم الزرقانیؒ اس رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"وهذا الرأي يقوم على رعاية الاحتياط للقرآن من ناحيتين:

١۔ ناحية كتابته فى كل عصر بالرسم المعروف فيه إبعاد للناس عن اللبس والخلط فى القرآن۔

٢۔ وناحية إبقاء رسمه الأول المأثور، يقرؤه العارفون به ومن لا يخشى عليهم الإلتباس"۔(۴۵)

غالباً اسی نظریہ سے متاثر ہونے اور اسی رفعِ التباس کی بنا پر ہی اہلِ مشرق (ایشائی ممالک) میں رسمِ عثمانی کی عملاً خلاف ورزی کا رواج ہو گیا ہے، جبکہ اہلِ مغرب (افریقہ) میں رسمِ عثمانی کا التزام تا حال موجود ہے کیونکہ وہ مسلک مالکی کے پیروکار ہیں اور اس بارے میں امام مالکؒ کا واضح قول ثابت ہے اور افریقہ اور مغرب میں زیادہ تر فقہ مالکی کا اتباع کیا جاتا ہے۔(۴۶)

اہل مشرق (خصوصاً برصغیر پاک وہند) میں کتابتِ مصاحف کے حوالے سے رسمِ عثمانی کی خلاف ورزی کی مثالیں زیادہ ملتی ہیں جس کی بڑی وجہ نقل صحیح کا التزام کرنے کے بجائے حافظہ وقیاس سے کام لینا ہے۔ پیشہ ورانہ عجلت بھی اس کا باعث بنتی ہے جس کا بڑا سبب کاتبین کی رسمِ عثمانی سے ناواقفیت اور کتابت کی ماہرانہ نگرانی اور پڑتال کا فقدان ہے۔ مصاحف کی تصحیح کرنے والے حضرات بھی رسم کی اغلاط سے یا تو خود بے خبر ہوتے ہیں یا رسم کے بجائے حرکات کی اغلاط پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ نظری حد تک لوگ ہمیشہ رسمِ عثمانی کے التزام کے قائل رہے ہیں، بلکہ محتاط کاتب نقل صحیح کی پابندی بھی کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ منقول عنہ نسخہ میں ہی اغلاط موجود ہوں۔(۴۷)

دورِ حاضر میں رسمِ عثمانی کے بجائے رسمِ املائی میں کتابتِ مصاحف کے جواز کی سب سے بڑی وجہ عوامی سہولت بیان کی جاتی ہے، لیکن جن لوگوں نے دورِ حاضر میں عوام کی سہولت کی خاطر جدید رسمِ املائی کے مطابق مصاحف کی کتابت و طباعت کو ضروری قرار دیا ہے، وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ التباس واشتباہ عوام کے بجائے پڑھے لکھے طبقہ کے مسائل میں سے

ہے کیونکہ عوام کے لیے کسی استاد سے زبانی طور پر قرآن سیکھنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر عام آدمی رسمِ املائی کو بھی غلط طریقہ پر ادا کرسکتا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ احمد یارؒ لکھتے ہیں:

''عوام کے بجائے عرب ممالک کے خواندہ لوگوں کے لیے رسم الخط کی ثنویت (روزمرہ میں رسمِ قیاسی اور تلاوت میں رسمِ عثمانی سے واسطہ پڑنا) التباس اور صعوبت کا باعث بنتی ہے۔ ورنہ دنیا میں لاکھوں (بلکہ شاید) کروڑوں ایسے مسلمان ہیں جو اسی رسم عثمانی کے مطابق لکھے ہوئے مصاحف سے اپنے علاقے میں رائج علاماتِ ضبط کی بنا پر ہمیشہ درست تلاوت کرتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں ''عوام'' کا نام تو محض ایک نعرہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، ورنہ ضرورت تو پڑھے لکھے عربی دانوں کو رسمِ قرآن سے شناسا کرنے کی ہے۔ رسمِ قرآنی کو ترک کر دینا اس کا کوئی علاج نہیں بلکہ اس کے مفاسد بہت زیادہ ہیں جبکہ رسمِ عثمانی کے التزام میں متعدد علمی اور دینی فوائد کا امکان غالب ہے''۔ (۴۸)

لہٰذا مناسب یہ ہے کہ عوام الناس کو رسمِ عثمانی اور اس کے رموز وفوائد اور خصوصیات سے روشناس کرایا جائے اور سرکاری سرپرستی میں اس کے التزام کے لیے مناسب انتظامات کیے جائیں۔ (۴۹)

رسمِ عثمانی کے متعلق مذکورہ دونوں نظریہ ہائے عدمِ التزام کا ردّ کرتے ہوئے علامہ السندیؒ لکھتے ہیں:

"أما ما ذهب إليه أصحاب المذهبين الآخرين ، فيمكن الرد عليهم:

١ ـ فيهما مخالفة لإجماع الصحابة والتابعين وأهل القرون المفضلة۔

٢ ـ القواعد الإملائية العصرية عرضة للتغيير والتبديل في كل عصر، وفي كل جيل، فلو أخضعنا رسم القرآن الكريم لتلك القواعد لأصبح القرآن عرضة للتحريف فيه۔

٣ ـ الرسم العثماني لا يُوقع الناس في الحيرة والإلتباس، لأن المصاحف أصبحت منقوطة مشكلة بحيث وُضعت علامات تدل على الحروف الزائدة، أو الملحقة بدل المحذوفة، فلا مخافة على وقوع الناس في الحيرة والإلتباس"۔ (٥٠)

یعنی مؤخر الذکر دونوں مذاہب اس لیے ناقابلِ قبول ہیں کہ اوّلاً، رسمِ عثمانی کی مخالفت میں صحابہ ﷺ، تابعینؒ اور قرونِ مقدّسہ کے اجماع کی مخالفت لازم آتی ہے۔ ثانیاً، جدید قواعدِ املائیہ ہر زمانہ اور ہر نسل میں تغیر وتبدل کا شکار رہے ہیں۔ اگر ہم قرآنی رسم کو اِن قواعد کے مطابق لکھنے کی اجازت دے دیں تو اس سے قرآن میں تحریف کا باب کھل جائے گا۔ ثالثاً، التباس اور لوگوں کی پریشانی کا باعث رسمِ عثمانی نہیں کیونکہ اب مصاحف منقوط ہیں اور ایسی علامات وضع ہو چکی ہیں جو کہ زائد یا محذوف حروف کے بدلے اضافی حروف پر دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا اب لوگوں کی پریشانی اور التباس کا خوف نہیں ہونا چاہیے۔

مفتی محمد شفیعؒ عوام الناس کی اس مشکل کے بارے میں لکھتے ہیں:

''الغرض اوّل تو یہ مشکلات محض خیالی ہیں۔ ان کو مشکل تسلیم کرنا ہی غلطی ہے اور بالفرض تسلیم بھی کیا جائے تو

ہر مشکل کا ازالہ ضروری نہیں۔ یوں تو نماز روزہ وغیرہ، ارکانِ اسلام سب ہی کچھ نہ کچھ مشکل اپنے اندر رکھتے ہیں''۔(۵۱)

رسمِ عثمانی کے مخالف متجددین

علمائے سلف میں سے جن لوگوں نے رسمِ عثمانی کے التزام اور عدمِ التزام کے معاملہ میں جمہور علما کی رائے سے اختلاف کیا ہے، انہوں نے اپنا موقف علم واستدلال کے دائرے میں رہتے ہوئے پیش کیا ہے اور رسمِ عثمانی پر طعن وتشنیع کی روش نہیں اپنائی۔ لیکن بدقسمتی سے بعض متجددین نے رسمِ عثمانی میں خامیوں کی تلاش شروع کی اور اس کو ناقص قرار دینے کے ساتھ صحابہ کرام ﷺ کی طرف بھی ناگفتہ بہ باتیں منسوب کی ہیں۔(۵۲) اِن متجددین میں دو نام سرِفہرست ہیں :

مصری متجدد عبدالعزیز فہمی نے "الحروف اللاتينية لكتابة العربية" کے نام سے کتاب لکھی جس کو مطبعۂ مصر نے ۱۹۴۴ء میں قاہرہ سے شائع کیا۔ مذکورہ کتاب میں مصنف نے رسمِ مصحف پر کثرت سے اعتراضات کیے ہیں اور رسمِ مصحف کو "بدائية سقيمة قاصرة" ﴿ص۲۱﴾ (ابتدائی درجے کا، بیمار اور ناقص) جیسے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ صفحہ ۲۳ پر رسمِ عثمانی کو غیر معقول قرار دیتے ہوئے "سخيف" (بعید از عقل/کمزور) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس کے الفاظ ہیں:

> " أقرر بأني لست مكلفًا باحترام رسم القرآن، ولست الغي عقلي لمجرد أن بعض الناس أو كلهم يريدون إلغاء عقولهم، ولا يميزون بين القرآن العظيم كلام الله القديم وبين رسمه السخيف الذي هو من وضع المؤمنين القاصرين"۔(۵۳)

یعنی مجھے اعتراف ہے کہ میں رسم قرآنی کے احترام کا مکلّف نہیں ہوں، اور اگر بعض یا سب لوگوں نے اپنی عقل سے کام لینا چھوڑ دیا ہے تو میں ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ کلام الٰہی کے مابین جو قدیم ہے اور اس کے رسم الخط کے مابین فرق نہیں کرتے جسے ناقص اور کوتاہ صلاحیت کے اہل ایمان نے تشکیل دیا ہے۔

مزید برآں عبدالعزیز فہمی نے رسمِ عثمانی کو نعوذ باللہ ایک بیماری قرار دیا ہے جس نے جدید عربیت کے حُسن کو تباہ وبرباد کر دیا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:

> "إنه سرطان أزمن، فشوه منظر العربية، وغشّى جمالها ، ونفّر منها الولي القريب والخاطب الغريب، وإذ أقول (سرطان) فإني أعني ما أقول ، كالسرطان حسّا ومعنى"۔(۵۴)

یعنی یہ مزمن سرطان ہے جس نے عربی زبان کے ظاہری حسن وجمال کو بدشکل بنا دیا ہے اور اس سے دوستوں اور دشمنوں، دونوں کو متنفر کر دیا ہے۔ میں نے اس کے لیے سرطان کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس سے میری مراد سرطان ہی ہے، کیونکہ یہ ظاہری اور معنوی ہر لحاظ سے ایک سرطان ہے۔

رسمِ مصحف کے جدید معترضین میں سے دوسرا بڑا نام ابن الخطیب محمد محمد عبداللطیف کا ہے جس نے "الفرقان" نامی

کتاب تصنیف کی۔ جس کو پہلی بار دار الکتب المصر یہ نے قاہرہ سے ۱۹۴۸ء میں شائع کیا۔ موصوف لکھتے ہیں:

"لما كان أهل العصر الأول قاصرين فی فن الكتابة ، عاجزين في الإملاء، لأميتهم وبدواتهم، وبعدهم عن العلوم والفنون ، كانت كتابتهم للمصحف الشريف سقيمة الوضع غير محكمة الصنع، فجاء ت الكتبة الأولى مزيجاً من أخطاء فاحشة ومناقضات متباينة في الهجاء والرسم"۔(۵۵)

یعنی عصرِ اول کے لوگ، اپنے اَن پڑھ اور بدوی ہونے کے لحاظ سے، فنِ کتابت سے قاصر اور علوم وفنون سے بے بہرہ تھے۔ مصحف میں کی گئی ان کی کتابت، وضع کے اعتبار سے سقیم اور مہارت کے اعتبار سے غیر محکم ہے۔ لہٰذا پہلی کتابت کے ہجا و رسم میں فاحش اغلاط اور متباین مناقضات شامل ہیں۔

ڈاکٹر لبیب السعید، ابن الخطیب کا ایک اقتباس یوں نقل کرتے ہیں:

" (إنه) يقلب معانی الألفاظ ، ويشوهها تشويها شنيعاً، ويعكس معناها بدرجة تكفّر قاريه، وتحرّف معانيه، وفضلاً عن هذا ، فإن فيه تناقضاً غريباً وتنافراً معيباً لا يمكن تعليله، ولا يستطاع تأويله"۔ (۵۶)

یعنی یہ رسم الفاظ کے معانی کو بدلنے کا سبب ہے، شکل وصورت کے لحاظ سے بُرا، معنی کو اِس حد تک بدلنے والا کہ اس کا پڑھنے والا کافر ٹھہرے اور اس کے معنی بدل جائیں۔ مزید برآں اس رسم میں عجیب وغریب قسم کا تناقض واختلاف پایا جاتا ہے جو اتنا معیوب ہے کہ اس کی توجیہ وتاویل کسی طرح ممکن نہیں۔

جولائی ۱۹۴۸ء میں صدر جامعۃ الازہر کی زیرنگرانی تین علما کی قائمہ کمیٹی نے اکتالیس (۴۱) صفحات پر مشتمل ایک فیصلہ صادر فرمایا جس میں مذکورہ کتب پر پابندی عائد کرنے اور ان کو ضبط کرنے کا حکم دیا گیا۔ کیونکہ وہ اسلامی اصول جن پر احکام کا مدار ہے، ان کی پاسداری اور اِس کی مخالفت کا سدِّ باب ضروری ہے۔(۵۷)

حواشی

(۱) القسطلانی، لطائف الاشارات لفنون القرءات:۱/۲۸۵

(۲) غانم قدوری، رسم المصحف:ص۱۹۹.....و.....الکردی: تاریخ القرآن وغرائب رسمہ وحکمہ:ص۱۰۳

(۳) "اجمع المسلمون قاطبة على وجوب اتباع رسم مصاحف عثمان ومنع مخالفته (ثم قال) قال العلامة ابن عاشر ووجه وجوبه ما تقدم من اجماع الصحابة عليه وهم زهاء اثنى عشر الفاً والإجماع حجة حسبما تقرر فی اصول الفقه ﴿النصوص الجليلة:ص ۲۵﴾"۔(مفتی محمد شفیعؒ: جواہر الفقہ :۱/۸۵)

(۴) صفحات فی علوم القراءات:ص۱۷۸

(۵) ابن قتیبہؒ الدینوریؒ، ابومحمد عبداللہ بن مسلم (م۲۷۶ھ):ادب الکاتب :ص۲۵۳، ط۲، دارِاحیاء التراث العربی،

بیروت، ۱۹۷۰ء

(۶) السیوطیؒ: الاتقان فی علوم القرآن: ۱۴۶/۴، ط۱، مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی، قاہرہ، ۱۹۶۷ء، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم).....صفحات فی علوم القراءات: ص۱۷۸..... "والفقهاء مجمعون، أو كالمجمعين على هذا الرسم"۔ (الجمع الصوتی الاول: ص۲۹۸)

(۷) الحدادؒ: محمد بن علی بن خلف الحسینی: إرشاد الحيران إلى معرفة ما يجب فی رسم القرآن: ص۴۱، مطبعۃ المعاہد بالجمالیۃ، قاہرہ، ۱۳۴۲ھ

(۸) احمد بن المبارک: الإبریز: ص۵۹، ط۱، المطبعۃ الازہریۃ، مصر، ۱۳۰۶ھ.....الکردی: تاریخ القرآن: ص۱۰۴.....التھانوی: اظہار احمد، الاستاذ الجلیل (م۱۴۱۲ھ): ایضاح المقاصد شرح عقیلۃ اتراب القصائد فی علم الرسم: ص۱۱، قراءت اکیڈمی، لاہور۔ س۔ن.....ابوطاہر السندی، صفحات فی علوم القراءات: ص۱۷۹

(۹) الدانی: ابوعمرو عثمان بن سعیدؒ (م۴۴۴ھ): المقنع فی رسم مصاحف الامصار: ص۹۔۱۰، تحقیق: محمد الصادق قمحاوی، مکتبۃ الکلیات الازہریۃ، قاہرہ

(۱۰) الزرقانی، مناہل العرفان: ۳۷۲/۱

(۱۱) مرجع سابق.....الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن: ۳۷۹/۱

(۱۲) حمودہ، عبدالوہاب: القراءات واللهجات: ص۱۰۲، ط۱، مکتبۃ النہضۃ المصریۃ، قاہرہ، ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء

(۱۳) الزرقانی، مناہل العرفان: ۳۷۲/۱

(۱۴) مرجع سابق

(۱۵) الشیخ عبدالواحد بن عاشر الاندلسیؒ: تنبیہ الخلان علی الاعلان بتکمیل مورد الظمآن: ص۱، ط۱، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء ﴿نوٹ: مذکورہ کتاب علامہ المارغنیؒ کی تصنیف "دلیل الحیران" کے آخر میں بھی منسلک ہے﴾

(۱۶) سورۃ الفرقان: ۷

(۱۷) جاراللہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشریؒ (م۵۳۸ھ): الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التأویل: ۲۰۹/۳، ط۲، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، القاہرۃ، ۱۹۵۳ء

(۱۸) الاتقان فی علوم القرآن: ۱۴۶/۴.....البرہان فی علوم القرآن: ۳۷۹/۱.....الکردی: تاریخ القرآن وغرائب رسمہ وحکمہ: ص۱۰۳.....لطائف الاشارات لفنون القراءات: ۲۷۹/۱

(۱۹) محمد غوث ناصر الدین محمد نظام الدین النائطی الارکانی: نثر المرجان فی رسم نظم القرآن: ۱۰/۱، مطبعۃ عثمان پریس، حیدرآباد دکن، ۱۳۱۳ھ

(۲۰) غرائب القرآن ورغائب الفرقان: ۴۰/۱.....الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن: ۳۸۰/۱ میں بھی اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

(۲۱) صفحات فی علوم القراءات: ص۱۸۰ و ۱۸۱

(۲۲) تاریخ القرآن وغرائب رسمہ وحکمہ: ص۱۱۱

(۲۳) الجمع الصوتی الاول: ص ۲۹۸

(۲۴) مباحث فی علوم القرآن: ص ۱۴۹

(۲۵) ''یہ 'حفاظتِ ورثہ' والی بات جذباتی ہی نہیں اپنے اندر ایک تہذیبی بلکہ قانونی اہمیت بھی رکھتی ہے۔ برسبیل تذکرہ مصر کے ایک ناشر کے خلاف رسمِ قیاسی کے ساتھ لکھا ہوا ایک مصحف چھاپنے پر مقدمہ چلا۔ عدالت نے ناشر کے خلاف فیصلہ دیا اور نسخہ کی ضبطی کا حکم جاری کیا۔ عدالت نے اپنے فیصلے میں ایک 'نقطۂ توجہ' یہ لکھا کہ ((آثارِ سلف کی حفاظت ترقی یافتہ اقوام کا فریضۂ اولین ہے))۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز شیکسپئر (یا دوسرے قدیم شعراء مثل چوسر وغیرہ) کا کلام انہی کے زمانے کے ہجاء وغیرہ کے ساتھ چھاپنا ضروری خیال کرتے ہیں اور وہ کسی طابع یا ناشر کو اس کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں دیتے حالانکہ تین چار سو سال میں انگریزی زبان بدل کر کچھ سے کچھ ہو چکی ہے تو پھر قرآن کے بارے میں یہ اجازت کیسے دی جا سکتی ہے؟''۔ (قرآن وسنت چند مباحث (۱): ص ۹۵، ۹۶)

(۲۶) الجمع الصوتی الاول: ص ۳۰۲

(۲۷) فتاویٰ امام محمد رشید رضا: ۲/۷۸۹ تا ۷۹۴..... بحوالہ: مرجع سابق

امام محمد رشید رضا نے پانچ نکات پر مشتمل جو جواب صادر فرمایا اس کا متن یوں ہے:

"﴿۱﴾ أن الاسلام يمتاز على جميع الاديان بحفظ أصله منذ الصدر الأول، وأن التابعين وتابعيهم وائمة العلم أحسنوا باتّباع الصحابة فی رسم المصحف، وعدم تجويز الكتابته بما استحدث الناس من فنّ الرسم، وإن كان أرقى مما كان عليه الصحابة، إذ لو فعلوا لجاز أن يحدث اشتباه فی بعض الكلمات باختلاف رسمها وجهل أصلها۔

﴿ب﴾ وأن الاتباع فی رسم المصحف يفيد مزيد ثقة واطمئنان فی حفظه كما هو، وفی إبعاد الشُبهات أن تحوم حوله، وفی حفظ شئ من تاريخ الملة وسلف الأمة كما هو۔

﴿ج﴾ وأنه كنصّ الفتویٰ لو كان لمثل الأمة الإنكليزية هذا الأثر لما استبدلت به ملك كسری وقيصر، ولا أسطول الألمان الجديد الذی هو شغلها الشاغل اليوم۔

﴿د﴾ وأن ما احتج به العز بن عبد السلام لما رآه من (عدم جواز كتابة المصاحف الآن على المرسوم الاول خشية الالتباس، ولئلا يوقع فی تغيير من الجهّال) ليس بشئ، لأن الاتباع إذا لم يكن واجباً فی الأصل وهو ما لا ينكره فترك الناس له لا يجعله حرامًا أو غير جائز لما ذكره من الالتباس۔

﴿ه﴾ وأن الحلّ لكل العُقد فی مشكلات الرسم التی تواجه السائل هو فی الرجوع إلى طبعة المصحف الصّادرة فی سنة ۱۳۰۸ ھ من مطبعة محمد أبی زيد بمصر، فقد توقف على تصحيح هذه الطبعة وضبطها الشيخ رضوان بن محمد المخلانی أحد علماء هذا الشأن وصاحب المصنفات فيه، والذی وضع للطبعة مقدمة شارحة

و نافعة"۔
(۲۸) نفس المصدر:ص۳۰۳
(۲۹) محمد بن حبیب اللہ الشنقیطیؒ:إیقاظ الأعلام لوجوب اتباع رسم المصحف الإمام :ص۱۶، ط۱،مطبعۃ المعاہد بالجمالیۃ قاہرہ،مصر،۱۳۴۵ھ
(۳۰) قرآن وسنت چند مباحث(۱):ص۹۷
(۳۱) بحوالہ: جواہر الفقہ از مفتی محمد شفیعؒ:۱/۹۳
(۳۲) قاضی عبد الفتاح نے الشیخ حسین والیؒ اور احمد حسن زیاتؒ کو بھی اِسی نظریہ کے قائلین میں شمار کیا ہے۔.....ملاحظہ ہو:القاضی عبدالفتاح:تاریخ المصحف الشریف:ص۸۲،مطبعۃ المشہد الحسینی،القاہرۃ
(۳۳) القسطلانی:شہاب الدین احمد بن محمد بن ابی بکر:لطائف الاشارات لفنون القراءات :۱/۲۷۹،المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ،قاہرہ،۱۹۷۲ء
(۳۴) الدمیاطی البناء،اتحاف فضلاء البشر:ص۹
(۳۵) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:الزرکشیؒ،بدرالدین محمد بن عبداللہ بن بہادر(م۷۹۴ھ): البرہان:فی علوم القرآن :۱/۳۷۹،داراحیاء الکتب العربیۃ،قاہرہ،۱۹۵۷ء:
(۳۶) غانم قدوری الحمد:رسم المصحف دراسة لغوية تاريخية :ص۲۰۱،ط۱،اللجنة الوطنية للأحتقال ،بغداد، عراق،۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء
(۳۷) الزرقانی:الشیخ محمد عبدالعظیم: مناهل العرفان فی علوم القرآن:۱/۳۷۳۔۳۷۴،داراحیاء الکتب العربیۃ عیسیٰ البابی الحلبی،قاہرہ،۱۹۴۳ء
(۳۸) مرجع سابق
(۳۹) احمد بن المبارک: الإبریز:ص۱۱۶،ط۱،المطبعۃ الازہریۃ،مصر،۱۳۰۶ھ
(۴۰) الدکتور احمد مختار عمر،الدکتور عبدالعال سالم مکرم:معجم القراءات القرآنية :۱/۴۲و۴۳،ط۱،انتشارات اسوہ(التابعة لمنظمة الاوقاف والشؤون الخيرية)،ایران،۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء
(۴۱) ابن خلدونؒ:عبدالرحمٰن المغربی(م۸۰۸ھ):کتاب العبر وديوان المبتداء والخبرمسمّیٰ بتاریخ ابن خلدون:۱/۴۷وما بعد،دارالکتاب،بیروت،۱۹۵۶ء:
(۴۲) المارغنیؒ التونسی،الشیخ ابراہیم بن احمد: دليل الحيران علىٰ مورد الظمآن فی فنّی الرسم والضبط:ص۲۶،ط۱،دارالکتب العلمیۃ بیروت،۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء
(۴۳) جیسا کہ علامہ الدمیاطیؒ نے اس رائے کو اِن الفاظ میں نقل کیا ہے:
"ورأى بعضهم قصر الرسم بالاصطلاح العثمانی على مصاحف الخواصّ، وإباحة رسمه للعوامّ، بالاصطلاحات الشائعة بينهم"۔ (اتحاف فضلاء البشر:ص۹)
(۴۴) السندیؒ،ابوطاہر عبدالقیوم:صحفات فی علوم القراءات :ص۱۸۰،ط۱،المکتبۃ الامدادیہ،مکہ مکرمہ، ۱۴۱۵ھ

(۴۵) الزرقانی، مناھل العرفان: ۱/۳۸۵

(۴۶) ملخص از: احمد یارؒ، پروفیسر حافظ: قرآن وسنت۔ چند مباحث: ص ۸۵، شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب لاہور، جون ۲۰۰۰ء

(۴۷) مرجع سابق

(۴۸) نفس المصدر: ص ۸۷

(۴۹) اس پر حافظ احمد یار مرحوم ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''مگر جدید اور قیاسی املاء کے عادی خواندہ لوگوں کے لئے رسم قرآنی میں کیسے سہولت پیدا کی جائے؟ اس سوال کا ایک جواب تو دقت نظر سے اختیار کردہ علاماتِ ضبط کا نظام ہے۔ دوسرا علاج اس کا الازہر والوں نے ۱۳۶۸ھ میں ایک دوسرے فتوی کی صورت میں دیا جس کی رو سے یہ جائز قرار دیا گیا کہ اصل متن تو رسم عثمانی کے مطابق ہی رہے مگر نیچے ذیل (فٹ نوٹ) کے طور پر ''مشکل'' کلمات کو جدید املاء یا رسم معتاد کی شکل میں الگ بھی لکھ دیا جائے۔ چنانچہ عبد الجلیل عیسیٰ کے حاشیہ کے ساتھ "المصحف المیسر" اسی اصول پر علماء الازہر کی نگرانی میں تیار ہو کر شائع ہوا تھا۔ یہ بھی اس مسئلہ کا ایک عمدہ حل ہے۔ تاہم غالباً پاکستان میں اس کی ضرورت نہیں یہ پڑھے لکھے عربوں کا مسئلہ کا حل ہے۔ ہمارے ہاں رسم عثمانی کا مکمل التزام درکار ہے''۔ (نفس المصدر: ص ۹۷ و ۹۸)

(۵۰) السندی ابو طاہر، صفحات فی علوم القراءات: ص ۱۸۲

(۵۱) حضرت مولانا محمد شفیعؒ: جواہر الفقہ: ۱/۶۷، ط ۱، مکتبہ دار العلوم کراچی، جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ

(۵۲) اِس کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ غانم قدّوری لکھتے ہیں:

".....فإن طائفة من المحدثين تنسب إلى العلم أطلقت ألسنتها تصف الرسم بما نجل الرسم والصحابة الذين كتبوه عن مجرد ذكره، وهو إن دل على شئ، فإنما يدل على الجهالة فى العلم والبلادة في الذهن والقصور في الادراك، إن لم يدل على سوء النية وخبث القصد والعداء لكتاب الله العزيز"۔ (رسم المصحف: ص ۲۱۱۔۲۱۲)

(۵۳) مرجع سابق

(۵۴) مرجع سابق

(۵۵) الفرقان: ص ۵۷.....بحوالہ: مرجع سابق

(۵۶) لبیب السعید: الدکتور: الجمع الصوتی الاول للقرآن (المصحف المرتل): ص ۲۹۳، ط ۲، دار المعارف القاہرۃ، س۔ن

(۵۷) غانم قدوری: رسم المصحف: ص ۲۱۲.....و.....الجمع الصوتی الاول: ص ۳۰۱

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی ☆

بائبل کا قورح ہی قرآن کا قارون ہے

محمد یاسین عابد صاحب نے 'الشریعہ' کے فروری ۲۰۰۶ کے شمارے میں میرے ایک مضمون ''قرآن کا نظریہ مال ودولت قصہ قارون کی روشنی میں'' (الشریعہ، دسمبر ۲۰۰۵) کو تنقید سے نوازا ہے اور متعدد سوالات اٹھائے ہیں۔ افسوس کہ ان کا انداز بیاں بڑا جارحانہ اور علمی حیثیت سے گرا ہوا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''غالباً ڈاکٹر صاحب نے کبھی بائبل کھول کر نہیں دیکھی اور سنی سنائی اور غیر مستند معلومات کی بنیاد پر مذکورہ عبارت تورات کی طرف منسوب کر دی۔''

اب میں تو کوئی جارحانہ اسلوب اختیار نہیں کرتا، ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ وہ کبھی کراچی آئیں اور میرا نسخہ بائبل دیکھیں جو بیسیوں تنقیدی حواشی سے بھرا ہوا ہے۔ بائبل جس کو وہ بہت مستند اور لائق اعتماد کتاب قرار دے رہے ہیں، اس کے کچھ عجائب وغرائب شرافت ونبوت ہی کے منافی نہیں، انسانیت کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ ہیں۔ ساتھ ہی یہ نسخہ ایسے حواشی سے بھرا ہوا ہے جو بعض انبیاء علیہم السلام اور خاص طور پر موسیٰ علیہ السلام وفرعون کے قصے کے حوالے سے قرآنی بیانات سے متعلق ہیں۔ پہلی قسم کے حواشی سے قرآن کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہود نے توراۃ میں تحریف کی ہے، اور دوسرے قسم کے حواشی سے توراۃ کے بارے میں قرآن کے بیان ''مصدق لما بین یدیہ'' کی تصدیق ہوتی ہے۔

جناب ناقد نے یہودی قورح کے دفاع میں جو کچھ لکھا ہے اور جس طرح خود بائبل کے بیانات سے تجاہل برتا ہے، اس کی امید کسی یہودی ہی سے کی جا سکتی تھی۔ اس سب کی تردید تو اپنی جگہ آئے گی، لیکن پہلا سوال یہ ہے کہ جناب ناقد نے اپنے مضمون کی ابتدا میں محمد اسلم رانا مرحوم کے پندرہ سال قبل شائع ہونے والے مضمون کو، جو قارون وقورح سے متعلق ہے، اپنی تنقید کی بنیاد بنایا ہے، جو ان کے بیان کے مطابق کسی ''المذاہب'' میں چھپا تھا۔ یہ ظاہر نہ ہو سکا کہ قورح کے متعلق جو بیانات موصوف کے مضمون میں ہیں، یا اس میں بائبل کے جو حوالے ہیں، وہ مرحوم اسلم رانا صاحب کا فیضان قلم ہے، یا جناب ناقد کی اپنی تحقیق انیق ہے۔ بہر حال انھوں نے جو سوالات اٹھائے، ان کی وضاحت ضروری ہے جو ترتیب وار عرض ہے:

۱۔ جناب ناقد کا اعتراض یہ ہے کہ میں نے قارون کو توراۃ کا قورح سمجھ رکھا ہے، جو ان کی دانست میں غلط ہے۔ اس بارے میں عرض ہے کہ قارون کو قورح میں نے ہی نہیں سمجھ رکھا ہے، بلکہ ہمارے تمام قدیم مفسرین اور عصر حاضر کے بعض

☆ 5۔ گلی P، خیابانِ سحر، فیز 6، ڈیفنس۔ کراچی

ممتاز پاکستانی و ہندوستانی مترجمین ومفسرین نے بھی یہی لکھا ہے۔ جس قورح کا شجرہ نسب جناب ناقد نے بائبل سے نقل کرنے میں بڑی سرمغزی کی ہے، یا مرحوم اسلم رانا کے مذکورہ بالا مضمون سے حرف بحرف نقل کیا ہے، یہی شجرہ نسب ہمارے قدیم ترین عظیم مفسر، تیسری صدی ہجری کے امام طبری نے اپنی تفسیر میں سورۃ قصص کی متعلقہ آیت کے ضمن میں قارون کا دیا ہے: ''قارون بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب'' اور یہی اپنی مشہور ومعروف تاریخ کی پہلی جلد میں قارون کے ذکر میں بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے صحابی رسول ﷺ اور مشہور مفسر قرآن عبداللہ ابن عباسؓ اور ان کے شاگردوں مجاہد وغیرہ کے اقوال نقل کیے ہیں، اور وضاحت کی ہے کہ یہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور ان کے شاگرد تابعین کے بیانات (یعنی قارون ہی توراۃ کا قورح ہے) اس لیے مستند ہیں کہ ان کا ماخذ ان یہودی علما کے اقوال وبیانات ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے، جیسے عبداللہ بن سلام، کعب بن مالک، اور وہب بن منبہ وغیرہ۔ مزید یہ کہ انہی تابعین میں ایک مشہور تابعی ابن جریج (عبداللہ بن عبدالعزیز) ہیں جو امام ابوحنیفہؒ کے معاصر تھے اور جن کے دادا جریج ایک رومن عیسائی تھے۔ انہوں نے قارون کا وہی شجرہ دیا ہے جو قورح کا ہے۔

یہی بات مفسر زمخشری اور قرطبی وغیرہ نے لکھی ہے، اور بائبل کے بیانات کے مطابق قورح ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا۔ قدیم عرب مفسرین ومورخین کے علاوہ عہد حاضر کے انگریزی مترجم ومفسر قرآن عبداللہ یوسف علی، مولانا عبدالماجد دریابادی (انگریزی تفاسیر) اور مولانا مودودی نے بھی قارون کو بائبل کا قورح لکھا ہے۔

اب کہیں یاسین عابد صاحب یہ اعتراض نہ کر بیٹھیں کہ توراۃ کے شجرۂ نسب میں قورح کے باپ کا نام اضہار اور اس کے دادا کا نام قہات ہے، جبکہ دونوں کے نام طبری وغیرہ اسلامی ماخذ میں علی الترتیب یصہر اور قاہث ہیں۔ اس بے بنیاد ممکنہ شبہہ کے جواب میں عرض ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام توراۃ کی کتاب پیدایش میں مسلسل چھ اصحاح (۱۱ تا ۱۶) میں 'ابرام' مذکور ہے اور طرفہ تماشا یہ کہ اصحاح ۱۷: ۵ کے بعد سے وہ ننانوے سال کی عمر میں ''ابرام'' سے ''ابراہام'' ہو گئے اور اللہ نے ان کا یہ نام بدلا۔ علاوہ ازیں بائبل میں حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام اضحاق، یونس علیہ السلام کا نام یوناہ اور یحییٰ علیہ السلام کا نام یوحنا ہے، اور انگریزی بائبل میں تو یہ نام بہت ہی مختلف ہیں۔ لوط، یعقوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کے نام علی الترتیب Lot, Jacob, Joseph, Moses, Aaron لکھے ہیں۔ اب یاسین عابد صاحب بتائیں کہ کیا قرآن میں مذکور انبیا اور بائبل میں مذکور یہ انبیا ایک دوسرے سے مختلف ہیں؟ ایں خیال است ومحال است وجنوں۔ قارون وقورح کے شجرۂ نسب کے ایک ہی ثابت ہونے کے بعد اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ قارون بائبل کا قورح ہے۔ 'قارون' نام، شمعون، شیرون کے اوزان پر عبرانی نام ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جیسے حضرت ابراہیم کے والد کا نام قرآن میں آذر (سورۃ الانعام، آیت ۷۴) اور بائبل کی کتاب پیدایش میں تارح ہے، جن کے مابین توفیق علما نے اس طرح کی ہے کہ ایک ان کا اصلی نام ہوگا اور ایک عرف یا لقب، اسی طرح قارون اور قارح بھی ایک ہی شخص کے دو مختلف نام ہوں، خاص طور پر یہ کہ ان کا شجرہ نسب ایک ہی ہے۔ یہی معاملہ قرآن کے طالوت (سورۃ البقرۃ ۲۴۳) اور بائبل کے ساؤل کا ہے۔

قرآن کریم کے صریح بیانات کے مطابق توراۃ وانا جیل اربعہ وغیرہ (بائبل، عہد قدیم وعہد جدید) تحریف شدہ کتابیں ہیں: 'فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَـٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَناً

قَلِيلًا" (البقرۃ،۷۹) یعنی 'ہلاکت ہے ان (یہودیوں) کے لیے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھ لیتے ہیں، پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس طریقے سے کچھ پیسے حاصل کر سکیں۔' اور دوسری جگہ ہے: 'يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِه' (النساء،۴۶) یعنی 'وہ لوگ جو اپنے آپ کو یہودی کہنے لگے، ان میں سے کچھ لوگ (اللہ کے) کلمات ان کی جگہ سے بدل دیتے ہیں۔' یہ بھی ممکن ہے کہ قورح کے بارے یہودیوں نے بائبل میں تحریف کی ہو۔

قارون اور قورح کے ایک ہی شخص ہونے کے بارے میں مزید ایک بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مصر کے بادشاہ کا لقب قرآن و بائبل میں 'فرعون' مذکور ہے۔ یہ مصری لقب جو مصر کے تمام بادشاہوں کا لقب تھا، اصل میں ''پر + عو'' یا ''فر + عو'' دو لفظوں سے مرکب تھا، جس کا معنی ہے ''عظیم محل'' یا قصر اعظم۔ انگریزی نام Pharoah میں لفظ کی اصل مصری صورت بڑی حد تک باقی ہے۔ لفظ فرعون کی یہ تشریح مصر قدیم سے متعلق کتابوں اور خاص طور پر موسسہ فرانکلین کی طرف سے شائع ہونے والی یک جلدی ضخیم انسائیکلوپیڈیا 'الموسوعۃ العربیۃ المیسر ۃ' میں ہے جو ممتاز مصری مورخین ومحققین و ماہرین آثار کے قلم سے ہے۔ اس میں لفظ کی مذکورہ بالا تشریح کے بعد لکھا ہے کہ یہ لفظ ''پرعو'' شاہی قصر کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ پھر خود مصر کے بادشاہوں کے لیے استعمال ہونے لگا، جس طرح ''الباب العالی'' (بلند دروازہ، Sublime Porte) کا اطلاق ترکی سلاطین پر ہوتا ہے۔ (الموسوعۃ العربیۃ المیسر ۃ، قاہرہ ۱۹۶۵ء، ص ۱۲۹۰)

۲۔ قورح کی فراوانی دولت سے متعلق میں نے ایک اقتباس بائبل کا حوالہ دے کر نقل کیا تھا۔ اس پر جناب ناقد صاحب کا ارشاد ہے: ''یہ عبارت بھی گنتی باب ۱۶ میں نہیں ہے بلکہ ہمیں تو پوری کوشش کے باوجود پوری بائبل میں کہیں نہیں مل سکی۔ غالباً ڈاکٹر صاحب نے کبھی بائبل کھول کر نہیں دیکھی اور سنی سنائی اور غیر مستند معلومات کی بنیاد پر مذکورہ عبارت تورات کی طرف منسوب کر دی۔''

میری عربی، انگریزی و اردو تصانیف پڑھنے والے جانتے ہیں کہ میں سنی سنائی معلومات درج کرنے کا خوگر نہیں۔ یاسین عابد صاحب بھی میری دو اردو کتب ''تحقیقات وتاثرات'' اور ''خانوادہ نبوی وعہد بنی امیہ'' میں میرے انداز تحقیق کو دیکھ سکتے ہیں۔ میرا زیر بحث مضمون دروس قرآن کے ضمن میں ایک دعوتی و اصلاحی نوعیت کی کاوش ہے۔ یہ قارون (قورح) سے متعلق کوئی تحقیقی مقالہ نہیں اور اہل علم میں قارون کے متعلق جو باتیں معروف ہیں (ان میں یہ بھی ہے کہ وہی بائبل کا قورح ہے) میں نے بغیر حوالے کے لکھ دی تھیں، کیونکہ بنیادی طور پر اس لیکچر (درس قرآن) میں آنے والے عام تعلیم یافتہ لوگ تھے۔ اب اگر مضمون نگار صاحب نے اپنے انتہائی محدود مطالعے اور صرف بائبل یا توراۃ (جو قرآن کے مطابق تحریف شدہ ہے) پر کلی اعتماد کرتے ہوئے میری بات کو سنی سنائی اور غیر مستند سمجھا ہے تو ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ قورح کی فراوانی دولت کا بیان پہلی صدی عیسوی کے ممتاز یہودی مورخ یوسفوس (Josephus) نے اپنی مشہور کتاب Antiquities of the Jews میں کیا ہے جس کو مرحوم مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنی انگریزی تفسیر ماجدی (جلد ۳، ص ۳۵۳) میں نقل کیا ہے۔ یہ اقتباس درج ذیل ہے:

"Corah, an Hebrew of principal account, both by his family and by his wealth, saw that Moses was in an exceedingly

great dignity, and was uneasy at it, and envied him at that account (he was of the same tribe with Moses, and of kin to him) being particularly grieved, because he thought he better deserved that honourable post on account of his great riches, and as not inferior to him in his birth."

''قورح ایک ممتاز حیثیت کا یہودی تھا، اپنی خاندانی حیثیت سے بھی اور اپنی دولت کے سبب سے بھی۔ اس نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو انتہائی بلند عظمت حاصل تھی۔ وہ اس بات سے ناخوش تھا اور اس وجہ سے اس نے حسد کرنا شروع کر دیا (وہ موسیٰ کے قبیلے ہی سے تھا اور ان کا ایک قرابت دار تھا) اس کو خاص طور پر شکایت یہ تھی کہ وہ اپنی بے انتہا دولت کے سبب اور اس وجہ سے بھی کہ وہ خاندانی وجاہت میں موسیٰ سے کم نہ تھا، اس معزز منصب کا زیادہ مستحق تھا جو موسیٰ کو حاصل تھا۔'' (Antiquities iv.2:2)

یوسفوس کے اس بیان میں قورح کی فراوانی دولت کی طرف واضح اشارہ ہے اور وہ یہ بھی یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ خاندانی وجاہت کے ساتھ وہ اپنی کثیر دولت کے سبب اپنے آپ کو اس عالی مقام (نبوت) کا زیادہ اہل سمجھتا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا۔ اس اقتباس میں قورح کی فراوانی دولت کا واضح ومکرر ذکر ہے۔ یاد رہے کہ قدیم یہودی تاریخ کے بارے میں یوسفوس انتہائی مستند ماخذ ہے۔ اس کا پورا نام فلافیوس یوسفوس تھا اور اس کا زمانہ ۳۷ء تا ۹۵ء ہے۔ یہودیوں نے اس کو ۶۶ء میں فلسطین کے شہر جلیلی (Galili) کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اس کے رومن حکومت سے اچھے تعلقات تھے۔ یہ روما بھی گیا تھا، اور اس کو پورے رومن (Roman) شہری حقوق حاصل تھے۔ اس نے مذکورہ بالا کتاب کے علاوہ یہودیوں اور ان کی جنگوں کے بارے میں متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ وہ یہودیوں کا ایک مذہبی رہنما (کاہن) اور مورخ وسیاستدان تھا۔ اس نے یہودیوں کی مدافعت میں بہت کچھ لکھا اور ان کی تعریف میں رطب اللسان رہا ہے۔ (الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ، ص ۱۹۹۲)

اس سب کے پیش نظر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ یہودی مورخ اپنے ہم قوم یہودیوں کا دشمن تھا۔ یوسفوس کی یہ کتاب آسانی سے دستیاب نہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم کو جنہوں نے کتاب کا یہ اقتباس اپنی انگریزی تفسیر میں محفوظ کر لیا ہے۔ تمام انگریزی تفاسیر میں ان کی یہ انگریزی تفسیر اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ اس میں بیسیوں ایسی کتابوں کے حوالے ہیں جو ان کے ذاتی مکتبہ میں تھیں۔ اب یاسین عابد صاحب بتائیں کہ نزول قرآن کے پانچ سو سال پیشتر کے اس یہودی مذہبی رہنما اور مورخ نے بھی قرآنی قارون کو ذہن میں رکھ کر سنی سنائی اور غیر مستند معلومات نقل کی تھیں؟

جہاں تک تین سو بار بردار جانوروں پر قارون (قورح) کے خزانوں کی کنجیاں لادنے کا تعلق ہے تو یہودی دائرۃ المعارف Jewish Encyclopaedia (جلد ۷ ص ۵۵۶) میں مذکور ہے کہ ''قورح کے خزانون کی کنجیاں تین سو خچروں پر لادی جاتی تھیں'' (تفسیر ماجدی، انگریزی vol. III, p. 353، تفہیم القرآن، جلد سوم، ص ۶۶۲)

میرا جو مضمون قارون سے متعلق ''الشریعہ'' میں شائع ہوا تھا، وہ دروس قرآن کے ضمن میں ٹیپ سے نقل کردہ (Transcribed) ایک لیکچر تھا جو ہمارے دفتر کے ایک سیکرٹری نے ٹیپ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا تھا۔ ان کے سہو قلم

سے تین سو خچروں کے بجائے تین سو اونٹ کتابت ہو گیا اور چونکہ توراۃ کا ذکر اوپر چل رہا تھا، اس وجہ سے اسی کا نام بجائے جیوش انسائیکلو پیڈیا کے انہوں نے لکھ دیا۔ بہر حال مصنف اس پر معذرت خواہ ہے، لیکن کتابت کی اس غلطی کے باوجود یہ حقیقت فراموش نہیں کی جا سکتی کہ مذکورہ بالا دو اہم یہودی حوالوں کے پیش نظر قورح بے انتہا دولت کا مالک تھا، خواہ اس کے خزانوں کی کنجیاں تین سو خچروں پر لادی جائیں یا تین سو اونٹوں پر، اور خواہ اس کا ذکر جیوش انسائیکلو پیڈیا میں ہو اور بائبل میں نہ ہو، کیونکہ قرآنی تاکیدات کے پیش نظر بائبل ایک تحریف شدہ کتاب ہے۔ پھر اہل علم سے یہ بات بھی پوشیدہ نہیں کہ یہودی مذہب اور تاریخ سے متعلق بعض انتہائی اہم بیانات وتفاصیل توراۃ کی شرح تلمود میں موجود ہیں جو یہودیوں کے نزدیک ایک مقدس کتاب ہے۔

جو بات میں نے Josephus کی مذکورہ بالا کتاب کے پیش نظر قورح سے متعلق لکھی تھی، وہی بات برصغیر کے عظیم عالم ومفسرؒ قرآن مولانا شبیر احمد عثمانی نے سورۃ القصص کی متعلقہ آیت ۷۶ پر اپنے تفسیری حاشیے نمبر ۸ میں کہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''وہ حضرت موسیٰ وہارون کی خداداد عزت ووجاہت کو دیکھ کر جلتا اور کہتا کہ آخر میں بھی ان ہی کے چچا کا بیٹا ہوں۔ یہ کیا معنی کہ وہ دونوں تو نبی اور مذہبی سردار بن جائیں، مجھے کچھ بھی نہ ملے۔ کبھی مایوس ہو کر شیخی مارتا کہ انہیں نبوت مل گئی تو کیا ہوا، میرے پاس مال ودولت کے اتنے خزانے ہیں جو کسی کو میسر نہیں۔'' اس کے بعد انہوں نے اس کی ناپاک سرشت کے اور واقعات بھی، جن کا تعلق موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس کے حسد سے تھا، طبری، زمخشری، رازی اور قرطبی سے نقل کیے ہیں جن سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ قارون بائبل کا قورح ہی تھا۔

۳۔ میرے مضمون میں قورح سے متعلق بیانات پر اعتراضات کے بعد، جن کا جواب دیا جا چکا ہے، موصوف نے قورح کی شخصیت پر ایک صفحہ سیاہ کیا ہے۔ سب سے پہلے تو توراۃ کے حوالوں کے ساتھ اس کے باپ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شجرہ نسب حضرت یعقوب علیہ السلام تک دیا ہے، یہ ثابت کرنے کے لیے کہ قورح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا۔ اس کی چنداں ضرورت نہ تھی، کیونکہ ہمارے سب قدیم مفسرین ومورخین نے لکھا ہے کہ قارون (قورح) موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا۔ یاسین عابد صاحب چونکہ قارون اور قورح کو دو علیحدہ علیحدہ اشخاص سمجھتے ہیں، تو اب وہ قارون کا شجرہ نسب بھی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ثابت کریں، یا پھر یہ ثابت کریں کہ مورخ ومفسر امام طبری نے، جن کے زمانے میں بغداد میں کافی یہود آباد تھے اور جن سے مسلمانوں کا میل جول تھا، قارون کا وہ شجرہ غلط نقل کیا ہے جو بالکل قورح کے شجرہ نسب کی طرح ہے اور لاوی بن یعقوب علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ وہ تو ہر گز ان دونوں میں سے کوئی بات ثابت نہیں کر سکیں گے، لیکن میں بائبل کے ان حافظ صاحب کو دکھاتا ہوں کہ اس قورح کے شجرہ نسب میں خود بائبل میں کتنا تضاد ہے۔

موصوف نے قورح کا جو شجرہ نسب دیا ہے، وہ توراۃ کی کتاب خروج سے لیا گیا ہے۔ اس میں وہ اضہار بن قہات کا بیٹا ہے، لیکن اسی بائبل کی کتاب ۱۔تواریخ، ۶:۲۲، ۲۳ میں ہے: ''قہات کا بیٹا عمیناداب۔ عمیناداب کا بیٹا قورح''۔ لیجیے، توراۃ کی کتاب خروج میں یہ قورح، اضہار بن قہات کا بیٹا تھا، اب دوسری کتاب ۱۔تواریخ میں عمیناداب کا بیٹا ہو گیا۔ کیا بائبل کے حافظ یاسین عابد کی نظر سے بائبل کا یہ باب اور یہ فقرہ نہیں گزرا، یا انہوں نے جان بوجھ کر تغافل کیا ہے؟ پھر یہ کہ موصوف نے قورح کے شجرہ نسب کے لیے بائبل کی کتاب خروج کے علاوہ ۱۔تواریخ ۲:۱ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ اس مقام پر

اضہار اور قہات بن لاوی یعنی قورح کے باپ کا بالکل ذکر نہیں۔ اس اصحاح کے فقرہ ۲ میں ''دان، یوسف اور بنیمین، نفتالی، جد اور آشر'' کا ذکر ہے۔ اس فقرے سے پہلے فقرے میں ہے: ''یہ بنی اسرائیل ہیں۔ روبن، شمعون، لاوی، یہوداہ، اشکار اور زبولون۔'' اس طرح ۱۔تواریخ ۲: ۱، ۲ میں بنی اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کا ذکر ہے۔ پھر ہر بیٹے کی نسل کا ذکر ہے، اور بنی لاوی کا ذکر، جن میں سے قورح تھا، اصحاح ۶ میں ہے۔

اب جناب ناقد، بائبل کے حافظ بتائیں کہ بائبل سے سنی سنائی باتیں کون نقل کر رہا ہے؟ میں یا موصوف؟ اگر وہ انصاف پسند انسان ہیں تو یقیناً یہاں وہ مشہور مصرع پڑھیں گے: ''میں الزام ان کو دیتا تھا، قصور اپنا نکل آیا''۔ اور قورح کے باپ کے بارے میں بائبل کے بالکل متضاد بیان پر میں کہوں گا، وصدق اللہ العظیم: یُحَرِّفُونَ الْکَلِمَ عَن مَّوَاضِعِہ ' یعنی یہ (یہودی) کلمات کو ان کی جگہ سے بدل دیتے ہیں۔ توراۃ بلکہ پوری بائبل میں بیسیوں اور مواقع پر میں تحریف ثابت کر سکتا ہوں، لیکن یہاں بائبل پر قرآن سے زیادہ اعتماد کرنے والے ناقد صاحب سے کہوں گا کہ وہ اس موضوع پر مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی بے نظیر کتاب ''اظہار الحق'' کی پہلی جلد میں دوسرا باب ''فی اثبات التحریف'' ص ۳۳۵۔۵۰۸ پڑھ لیں (جدید عربی ایڈیشن، تحقیق الاستاذ عمر الدسوقی) ان کو عربی نہ آتی ہو تو اس کا ترجمہ مولانا تقی عثمانی کے قلم سے بہ عنوان ''بائبل سے قرآن تک'' پڑھ لیں، اگرچہ مجھے علم نہیں کہ انہوں نے اس کا پورا ترجمہ کیا ہے یا ناقص۔

۴۔ قورح (سب مسلمان اہل علم کے نزدیک قرآن کا قارون) سے وہ بہت زیادہ حسن ظن رکھتے ہیں، اور اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: ''وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتا تھا، یہی وجہ تھی کہ اس نے مصر میں اپنا گھر بار اور شہری حقوق و سہولیات چھوڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی اور بحر قلزم کو عبور کیا۔ تمام بنی اسرائیل کی نشست و برخاست خدا اور اس کے نبی حضرت موسیٰ کے زیر فرمان ہی ہوتی تھی۔'' (گنتی ۹: ۲۳)

جو حوالہ موصوف نے بائبل کی کتاب گنتی کا دیا ہے، اس میں کہیں بھی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قورح کی مصر سے ہجرت کا ذکر نہیں، نہ اس کے مصر میں شہری حقوق و سہولیات چھوڑنے اور نہ بحر قلزم عبور کرنے اور جنگلوں میں مارے مارے پھرنے کا ذکر ہے۔ اس مقام (گنتی ۹: ۲۳) پر تو صرف یہ درج ہے کہ ''وہ (بنی اسرائیل) خداوند کے حکم سے قیام کرتے اور خداوند ہی کے حکم سے کوچ کرتے تھے۔'' بلکہ اس پورے اصحاح یا باب میں مصر سے براہ بحر قلزم ہجرت بنی اسرائیل کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ اب لمبی زبان والے جناب ناقد صاحب یہ بتائیں کہ سنی سنائی باتیں کون کر رہا ہے اور کیا اب میرا یہ کہنا درست ہوگا کہ موصوف نے کبھی بائبل کھول کر دیکھی ہی نہیں یا دیکھی ہے تو وہ جان بوجھ کر غلط بیانی کر رہے ہیں اور قارئین کو دھوکہ دے رہے ہیں؟ یا پھر یہ علامہ صاحب یہ تو بتائیں کہ قورح، جو ان کے بقول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لایا اور پکا اسرائیلی تھا، اس کو مصر میں شہری حقوق کیسے مل گئے؟ اسرائیلی تو مصر میں مبتلائے عذاب (Persecuted) تھے۔ فرعون کے دربار میں اس کے اعلیٰ مقام کا ذکر تو ہمارے مفسرین و مورخین نے کیا ہے، اس بنیاد پر کہ یہ قورح وہی قارون تھا جو اپنی قوم کے خلاف فرعون کے ساتھ ہو گیا تھا، لیکن شہری حقوق حاصل ہونے کا کیا ثبوت ہے؟

۵۔ جناب ناقد بائبل (توراۃ) کی کتاب خروج ۲۸: ۳۲ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''قورح، داتن، ابیرام، اون اور ان کے دوسرے ساتھی بھی ہر عمل میں اپنی قوم کے ساتھ تھے۔ بچھڑے کی پوجا کے

واقعے میں یہ اشخاص شرک میں مبتلا ہونے والے گروہ کے خلاف اور حضرت موسیٰ وہارون کے ساتھ تھے۔اس واقعے میں بنی لاوی نے تمام مشرکین کو قتل کیا تھا۔(خروج ۳۲: ۲۸)''

اس کے فوراً بعد تحریر کرتے ہیں: ''اسی وجہ سے بنی لاوی کو بنی اسرائیل میں ایک ممتاز حیثیت حاصل ہوگئی تھی (گنتی ۸: ۱۴) اور وہ خدا کے چنے ہوئے لوگ ٹھہرے۔ یہاں تک قورح ایک گم نام شخص ہے۔''

اب میں پھر بائبل کے ان بزعم خود حافظ صاحب سے کہتا ہوں کہ انہوں نے سنی سنائی باتیں لکھی ہیں، اور بائبل کھول کر بھی نہیں دیکھی (بلکہ شاید بغیر کھولے بھی نہیں) یہ انہیں کے الفاظ میں نے دہرائے ہیں۔اگر ان کے پاس واقعی بائبل ہے تو وہ اسے کھول کر دیکھیں۔کتاب خروج کے مندرجہ بالا باب اور فقرے میں سرے سے قورح وداتن وغیرہ کا نام ہی نہیں بلکہ اس پورے باب (اصحاح) میں کہیں ان کا نام نہیں، یہ بات تو علیحدہ رہی کہ انہوں نے ان مرتدین ومشرکین کی مخالفت کی تھی جنہوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔

میں ان کی اور قارئین کی اطلاع کے لیے وضاحت کیے دیتا ہوں کہ کتاب خروج ۳۲: ۲۸ میں صرف یہ لکھا ہے: ''اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہنے کے موافق عمل کیا۔ چنانچہ اس دن لوگوں میں سے قریبا تین ہزار مرد کھیت آئے''۔

اس کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اس سے قبل لکھا ہے: ''اور اس (موسیٰ) نے ان (بنی لاوی) سے کہا کہ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تم اپنی ران سے تلوار لٹکا کر پھاٹک پھاٹک گھوم کر سارے لشکر گاہ میں اپنے اپنے بھائیوں اور اپنے اپنے ساتھیوں اور اپنے اپنے پڑوسیوں کو قتل کرتے پھرو''۔

یاسین عابد صاحب ان حوالوں سے کس کو دھوکہ دے رہے ہیں؟ وہ قارئین جن کی نظر سے کبھی بائبل نہیں گزری، وہ تو اس سے مرعوب ہو جائیں گے اور دھوکہ کھا جائیں گے اور ایسے بہت سے ہیں، لیکن وہ جن کی نظر بلکہ تنقیدی نظر اس تحریف شدہ کتاب پر ہے، وہ اس سے دھوکہ نہیں کھائیں گے۔اس موقع پر مجھے پندرہ سال پہلے کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے، کہ کراچی ٹیلی ویژن کے ایک مشہور خطیب اور میلاد خواں نے میرے ایک تحقیقی مضمون پر، جو شجرہ خاندان نبوت سے متعلق تھا، ایک تنقیدی مضمون لکھا جس میں ہفت روزہ تکبیر کے قارئین کو مرعوب کرنے کے لیے کچھ عربی کتابوں کے جھوٹے حوالے بھی لکھے۔ پھر اس کا جواب میں نے اسی ہفت روزے میں شائع کیا تو انہوں نے اپنے ہمہ دانی کے زعم میں تاریخ بنی امیہ سے متعلق کچھ سوالات اٹھائے جن میں ناصبیت کا رنگ تھا، اور اسی طرح کا جارحانہ انداز بیاں اختیار کیا جو یاسین عابد صاحب کا ہے، اور پھر ساتھ ہی مزید جھوٹے حوالے۔ میں نے اس کا بھی مفصل ومدلل جواب دیا، الحمدللہ کہ اہل علم نے میری تحریروں کو پسند کیا۔ بعض بزرگ میرے پاس تشریف بھی لائے۔اس طرح وہ تحریری مناظرہ ایک کتابی شکل اختیار کر گیا اور دو سال قبل ''خانوادہ نبوی وعہد بنی امیہ'' کے نام سے میرے یہاں سے ہی اشاعت پزیر ہوا۔اب یہ ایڈیشن تقریباً ختم ہو چکا ہے۔

۶۔آخر میں موصوف نے قارون کی دولت پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس نے اپنی دولت کی حفاظت، قرضوں کے لین دین اور سود کے حساب کتاب کے لیے منشیوں، خزانچیوں، مسلح پہرے داروں، سپاہیوں اور عاملوں کا ایک پورا نیٹ ورک بنا رکھا تھا۔(۲۸: ۷۶)''

مضمون نگار صاحب بائبل کے انداز حوالہ جات سے متاثر ہیں، چنانچہ انھوں نے اس عبارت کے لیے سورۃ القصص

کی آیت نمبر ۶۷ کا حوالہ بائبل کے انداز پر دیا ہے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کریم کے حوالے سورتوں کے نام اور آیات کے نمبروں سے ہوتے ہیں۔ یہی وہ اسلوب ہے جو اہل علم میں رائج ہے۔ اسی اسلوب پر عصر کی مشہور مجمع اللغۃ العربیہ (عرب لسانیات اکیڈمی) کی ضخیم کتاب ''معجم الفاظ القرآن الکریم'' (دو جلدیں) مرتب کی گئی ہے۔ بہر کیف ان کی بیان کردہ تفصیلات کا مذکورہ آیت میں کوئی ذکر نہیں۔ پھر یہ خیالی گھوڑے کس لیے دوڑائے گئے ہیں؟

انہوں نے اس موقع پر پھر دہرایا ہے کہ قارون کا ذکر بائبل میں نہیں۔ کوئی شک نہیں کہ قارون کا نام نہیں لیکن قورح اور قارون اسی طرح تقریبی مشابہت رکھتے ہیں جس طرح مصری تاریخ کا ''فرعؤ'' اور بائبل اور قرآن کا ''فرعون''۔ ایسی قریبی مشابہت بنی اسرائیل کے بہت سے قرآنی اور توراتی ناموں میں بھی نظر آتی ہے۔ دونوں جگہ مکمل یکسانیت نہیں۔ ہم قارون اور قورح کے ایک ہی شجرہ نسب اور تقریباً دو ہزار سال قبل کے یہودی مورخ یوسفوس کی کتاب کے حوالے سے ثابت کر چکے ہیں کہ قارون اور قورح ایک ہی شخص ہے۔ اب آخر میں بائبل کے نئے حوالوں سے، جن سے یاسین عابد صاحب یا تو غافل ہیں یا انہوں نے قصداً ان کو چھپایا ہے، ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ قورح، موصوف کے بیان کے برخلاف، صحرائے سینا میں نہیں بلکہ مصر میں اپنے محل کے ساتھ زمین میں دھنسا دیا گیا، جس کی تصدیق قدیم مصری تاریخ کے ماہرین اور علماے آثار قدیمہ کے بیانات سے بھی ہوتی ہے۔

بائبل (توراۃ) کی پانچویں کتاب التثنیہ یا استثنا (Deuteronomy) میں ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکل کر سینا میں دشت نوردی کر رہے تھے تو اس دور میں حضرت موسیٰ کے مخالفین ''داتان اور ابیرام کو جو الیاب بن روبن کے بیٹے تھے..... سب اسرائیلیوں سمیت زمین نے اپنا منہ پسار کر ان کے گھرانوں، خیموں اور ہر ذی نفس جوان کے ساتھ تھا، نگل لیا'' (استثنا ۱۱:۶) یہاں ان زمین میں دھنسائے جانے والوں میں قورح کا نام نہیں، جبکہ کتاب گنتی ۱۶:۳۱، ۳۲ میں قورح کا نام ہے۔ یہ اسی طرح کا ایک تضاد ہے جس کا ذکر ہم قورح کے باپ کے نام کے سلسلے میں کر چکے ہیں، اور اس کا سبب یہ ہے کہ بابل کے کلدانی بادشاہ نبوخذ نصر نے (بائبل کا نبوکدنضر) جو عربی کے اثر سے اردو میں بخت نصر مشہور ہے، یروشلم کو اپنے دوسرے حملے ۵۸۶ قبل مسیح میں بالکل تباہ کر دیا تھا، ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا تھا اور توراۃ کے سارے نسخے جلا دیے تھے۔ تقریباً پچاس سال بعد ایران کے پہلے ہخامنشی (اکمینی) بادشاہ کوروش (بائبل خوروس، کتاب عزرا، انگلش Cyrus) نے یہودیوں کو فلسطین واپس جانے اور دوبارہ ہیکل (معبد) بنانے کی اجازت دی جو دوسرے ہخامنشی شاہ ایران خوشایارخوش (بائبل، عزرا: ارتخششتا، یونانی وانگریزی Xraxes) کے زمانے میں ۵۱۵ قبل مسیح میں بن سکا اور اسی عہد میں عزرا کاہن نے اپنی یادداشت سے توراۃ (بائبل عہد قدیم) کو دوبارہ لکھا جس کی وجہ سے اس میں کافی اغلاط اور تضادات پائے جاتے ہیں۔ پھر موجودہ بائبل میں تو اس کے بعد بھی تحریف ہوئی ہے جس کی تفصیل کی یہاں گنجایش نہیں، لیکن اس موضوع اور یہودی تاریخ پر ڈاکٹر احمد شلبی (مصری) کی بہترین کتاب 'الیہودیۃ' (قاہرہ، ۱۹۸۴) دیکھی جا سکتی ہے۔

بہر حال قابل ذکر بات یہ ہے کہ جس طرح بائبل کی کتاب استثنا میں داتن اور ابیرام کے ساتھ قورح کے زمین میں دھنسائے جانے کا ذکر نہیں، اسی طرح بائبل کی ایک دوسری اہم کتاب زبور میں، جہاں داتن اور ابیرام کے زمین میں دھنسائے جانے کا ذکر ہے، وہاں بھی قورح کا نام نہیں۔ زبور ہی بائبل کی وہ کتاب ہے جس میں کوئی تحریف نہیں ہوئی کیونکہ

یہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور بنی اسرائیل کے اظہار بندگی کے ترانے ہیں اور ان کے لیے اپنے گناہوں کا اعتراف بھی ان ترانوں میں ہے جن کو بآسانی حفظ کیا جا سکتا ہے۔ یہی وہ زبور ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا کی گئی تھی۔

زبور کے مزمور ۱۰۶ میں ہے: ''انہوں (بنی اسرائیل) نے خیمہ گاہ میں موسیٰ اور خداوند کے مقدس مرد ہارون پر حسد کیا۔ سو زمین پھٹی اور داتن کو نگل گئی اور ابیرام کی جماعت کو کھا گئی۔'' (مزمور ۱۰۶: ۱۶، ۱۷) زبور کی تصریح (یہی مزمور، فقرات ۶ تا ۱۵) کے مطابق یہ واقعہ سینا میں پیش آیا، اور حسد کرنے والے روبن بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے جبکہ موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام اور قورح (قارون) لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اسی لیے داتن اور ابیرام و دیگر جو اولاد روبن سے تھے، موسیٰ علیہ السلام سے ان کی نبوت کے سبب حسد کرتے تھے۔

قورح کے خسف فی الارض (زمین میں دھنسائے جانے) کا واقعہ اس سے قبل مصر میں ہو چکا تھا۔ قرآن کریم نے کتاب استثنا اور زبور کی روایت کی تصدیق کی ہے اور بتایا ہے کہ وہ مصر میں تھے کہ قارون (قورح) اور اس کا محل زمین میں دھنسائے گئے۔ ورنہ سینا میں تو سارے اسرائیلی خیموں میں رہتے تھے۔ وہاں قورح نے کون سا محل اور کہاں تعمیر کیا تھا؟ اسی لیے بائبل کی مذکورہ بالا دونوں روایتوں میں داتن اور ابیرام کے گھروں کا ذکر نہیں، بلکہ خیموں کا ذکر ہے۔

مصر میں قارون (قورح) اور اس کے محل کے زمین میں دھنسنے کا ذکر توراۃ کی ایک قدیم شرح مدراش (Midrash) کی روایت میں بھی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک بہت بڑا خسف فی الارض رعمسیس اور پتوم میں ہوا جو مصر کے مشہور شہر تھے۔ اس حادثے میں بنی اسرائیل بھی ہلاک ہوئے۔ (مقالہ قارون، تعلیقہ، دائرۃ المعارف الاسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی (جلد ۱۶/۱) بقلم جناب عبدالقادر) اس شہر رعمسیس (یا برر عمسیس) اور بتوم کا ذکر عظیم مصری مورخ و ماہر علم الآثار سلیم حسن کی کتاب ''مصر القدیمۃ'' (جلد ۶) میں بھی ہے۔ اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی میں مقالہ 'قارون' پر تعلیقہ (نوٹ) لکھنے والے عبدالقادر صاحب کا Commentory on the Bible, Peake 1952 کے حوالے سے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ قارون کے بارے میں دو الگ الگ کہانیوں کو کسی بعد کے مرتب نے یکجا کر دیا۔ بنی اسرائیل کی تاریخ میں اس قسم کے دو حادثے ہوئے تھے۔ مرور زمانہ کے باعث قورح (قارون) کی کہانی داتن اور ابیرام کے حادثے کے ساتھ جوڑ دی گئی۔

یہ ہے وہ بائبل اور قورح سے متعلق اس کے متضاد بیانات جن کو یاسین عابد صاحب نے مستند مانا ہے اور صرف کتاب گنتی و خروج کے حوالے دے کر قارئین کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ہم نے قدیم و جدید عرب و غیر عرب مفسرین کے اقوال اور بائبل کی دوسری کتابوں (استثنا اور زبور) کے حوالوں سے ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کا قارون ہی بائبل کا قورح تھا۔ جناب ناقد کی غلط بیانیوں کا بھانڈا بھی پھوٹ گیا ہے، اور ساتھ ہی بائبل جس کو 'کتاب مقدس' کا نام دیا جاتا ہے، اس کی حقیقت بھی سامنے آ گئی ہے۔

مکاتیب

(۱)

مکرمی جناب پروفیسر میاں انعام الرحمٰن صاحب!

آپ پر سلامتی ہو!

ماہنامہ 'الشریعہ' جنوری ۲۰۰۶ء میں آپ کا فکر انگیز مضمون ''قرآنی علمیات اور معاصر مسلم رویہ'' پڑھا۔ یقین جانیے اس قسم کے مضامین کو میں اپنے لیے فکری غذا تصور کرتا ہوں۔ داخلی انتشار کے اس پرآشوب دور میں مسلم مذہبی فکر کے حوالے سے حق کی تلاش جتنی ضروری ہے، اسی قدر مشکل بھی ہے۔ گروہی اور مسلکی تعصّبات کے اندھیروں میں حق کے اجالے کی سحر شب گزیدہ بن گئی ہے۔ اس کے باوجود تلاش حق فرض عین ہے۔ اس عظیم سفر کی ہر تکلیف کلفت نہیں، نعمت ہے۔ اپنا یہ عقیدہ ہے کہ جادۂ مستقیم کا طالب ہر حال میں کامیاب ہے، خواہ اسے منزل نہ ملے۔ دوسرے لفظوں میں حق کی تلاش ہی اصل منزل ہے۔ زیر بحث مضمون کے بعض نکات سے اگرچہ مجھے اختلاف ہے، لیکن میں آپ کے ''سفر'' کو مبارک تصور کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اصابت اور لغزش، ہر دو صورتوں میں آپ کو اجر دے۔

قرآن کی علمیاتی اساس میں آپ نے غیب کی تشریح یوں کی ہے:

''یہاں غیب سے مراد 'نامعلوم' ہے، لیکن اس کا مطلب لاادریت بھی ہرگز نہیں۔ نامعلوم ہونا ایک اور چیز ہے اور نہ جان سکنا چیزے دیگر است۔ نہ جان سکنے کی روش اپنانا ایک منفی رویہ ہے اور یہ تشکیک کے قریب ترین ہے جس کی قرآن ابتدا ہی میں نفی کرتا ہے۔ اس کے برعکس نامعلوم ہونا ایک مثبت رویہ ہے جس میں جان سکنے کی خواہش اور یقین دونوں پائے جاتے ہیں۔''

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ بالغیب سے ''نامعلوم'' مراد لے کر ایمان بالغیب کا مطلب ''نامعلوم پر ایمان'' ہوگا، جیسا کہ آپ نے لکھا بھی ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ 'بالغیب' پر داخل ''با'' کو ظرفیت کے مفہوم میں لینے کے بجائے آپ نے 'بالغیب' کو مفعول کیوں مان لیا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ ایمان بالغیب سے ''نامعلوم پر ایمان'' مراد لے کر آیت میں اس کا مفہوم کیا بنتا ہے؟ اور تیسری بات یہ کہ خود ''نامعلوم'' کی وضاحت کیا ہے؟ یہاں میں تیسرے اور دوسرے سوال کی نوعیت پر بحث کرتا ہوں۔ نامعلوم کو غیب کا مترادف قرار دے کر آپ ایک سانس میں دو باتیں

کہہ ڈالتے ہیں۔ وہ یوں کہ غیب نامعلوم بھی ہے اور اس کا مطلب لاادریت بھی نہیں۔ آپ کے نامعلوم کا چہرہ کچھ کچھ ''ادریت'' کے غازے سے سرخ ہے۔ میرے خیال میں آپ اردو زبان کی تنگ دامنی کا گلہ کر رہے ہیں۔

کچھ اور چاہیے وسعت میرے بیان کے لیے

آپ کا یہ شکوہ اس وقت اور پرشکوہ لگتا ہے جب آپ لکھتے ہیں: ''نہ جان سکنے کی روش اپنانا ایک منفی رویہ ہے اور یہ تشکیک کے قریب ترین ہے۔'' (ایضاً ص ۲۰)

''سکنے'' کے لفظ سے ایک قسم کی معذوری ٹپکتی ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر یہ رویہ کس طرح ایک منفی رویہ قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر میں کچھ نہیں سیکھ سکتا تو میرا یہ رویہ منفی کس طرح ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ شاید ''نہ جاننے کی روش اپنانا'' اس مفہوم کے لیے درست تعبیر ہو۔ یوں لگتا ہے کہ آپ کی اس پیچیدگی نے آپ کو 'یومنون بالغیب' کا ترجمہ ''جو غیب پر ایمان لاتے ہیں'' کرنے پر مجبور کیا اور بعد میں آپ کو وضاحت کرنا پڑی کہ ''امکانات کو چھونے کو خواہش اور سکت ایمان بالغیب ہے۔'' اگر میں آپ کی بات سمجھ سکا ہوں تو غالباً آپ کا مطلب یہ ہے کہ آنے والے واقعات کے متعلق Positively سوچنا اور شک میں نہ مبتلا ہو جانا، ہی اس کا بالغیب ہے۔ آپ کے ایمان بالغیب کی یہ تعبیر صرف ''ایمان بالغیب'' میں مقید ہونے کا نتیجہ ہے، حالانکہ یہ ایک طرف اس سورۃ سے پہلی سورہ 'الفاتحہ' کے الفاظ 'الحمد اللہ رب العلمین الرحمٰن الرحیم ملک یوم الدین' کے ساتھ منسلک ہے تو دوسری جانب اس کا تعلق اسی سورہ میں مذکور ایمان کی تفصیلات و جزئیات سے ہے۔ میں یہاں صرف ایک مثال پیش کروں گا جو بنی اسرائیل کی ظاہر پرستی سے متعلق ہے: ''وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّى نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً'' (البقرہ، آیت ۵۵)

اس لیے ایمان بالغیب کا تعلق اللہ پر ایمان سے لے کر یوم آخرت تک، تمام چیزوں سے ہے۔ آپ کی بات بذات خود درست ہے، لیکن ایسا رویہ اپنانا متقین کی صفات میں سے ایک ہے، نہ کہ مجرد ایمان بالغیب کا تقاضا۔

قرآنی علمیات کے رہنمایانہ منہاج کے حوالے سے آپ نے حضرت آدمؑ اور فرشتوں کے جس واقعہ کا ذکر کیا ہے، اس کا تعلق ایمان بالغیب کے اس تصور سے نہیں جسے آپ نے پیش کیا ہے۔ اس میں بھی آپ سے لغزش ہوئی ہے جس کی نشان دہی میں ابھی کروں گا۔ آپ یقیناً میرے ساتھ اتفاق کریں گے کہ یہ سورہ، بنی اسرائیل کے لیے ایک چارج شیٹ ہے اور اس میں ان پر فرد جرم عائد کی گئی ہے۔ حضرت آدمؑ اور فرشتوں کے اس واقعہ سے پہلے اور بعد میں بنی اسرائیل کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ اٹھیک اس واقعے سے پہلے کی آیت یہ ہے: ''هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاء فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيم''۔ کیا فرشتوں والا Positive رویہ اپنانے کے لیے ضروری نہیں کہ سب سے پہلے ایمان بالغیب میں پوشیدہ اس عظیم المرتبت خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا جائے؟ مطلب یہ ہے کہ زندگی اور موت کے مسئلے پر غور کیا جائے اور کائنات کی تخلیق کے متعلق سوچا جائے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ انسان اعتراف کر لے کہ اے خدا! میں نے اگرچہ تجھ کو نہیں دیکھا، لیکن میری عقل تسلیم کرتی ہے کہ تو ہی بلاشرکتِ غیرے اس کائنات کا رب ہے اور علم کے سارے خزانے تیرے ہی پاس ہیں۔

اب ذرا اس واقعے کے بعد کی آیات (۴۰، ۴۶) پر غور کیجیے۔ آیت ۴۰ میں بنی اسرائیل کو ''أَوْفُوا بِعَهْدِي'' یاد

دلایا گیا ہے۔ آیت ۴۱ میں اس چیز پر ایمان لانے کو کہا گیا ہے جسے خدائے عزوجل نے ''أَنزَلْتُ مُصَدِّقاً لِّمَا مَعَكُمْ'' کہا ہے۔ آیت نمبر ۴۲ میں کتمان حق سے منع کیا گیا ہے۔ آیت نمبر ۴۳ میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے اور پھر آیت نمبر ۴۶ میں ''أَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ'' کی یاددہانی کرائی گئی ہے۔ میاں صاحب! بنی اسرائیل کو یہاں آیت ۴۰ تا ۴۶ میں براہ راست جو کچھ کہا جا رہا ہے، کیا یہی باتیں ان متقین کی صفات نہیں ہیں جن کا تذکرہ سورۃ البقرۃ کے بالکل ابتدائی آیات میں ہوا ہے: ''الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ o وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ''۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ان صفات کی حامل متقی شخصیت یہی ملکوتی رویہ اپنائے گی اور حق کے سامنے سرنگوں (Surrender) ہوگی۔

جیسا کہ میں نے پہلے اشارہ کیا، قرآنی علمیات کے رہنمایانہ منہاج میں آپ سے لغزش ہوئی ہے۔ رہنمایانہ منہاج کے لیے آپ نے حضرت آدمؑ اور فرشتوں کے واقعے سے متعلق آیات کا انتخاب کیا ہے۔ پہلی آیت یہ ہے:

''وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلاَئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُواْ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاء وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ''

یہاں ایمان بالغیب کی تعبیر امکانات کو چھونے کی خواہش اور سکت کے نظریے سے Pre-Minded ہوتے ہوئے آپ نے لکھا ہے: ''خلیفہ کے بارے میں فرشتوں کی یہ جانکاری کی وہ زمین میں فساد اور خونریزی برپا کرے گا، خدا ہی کی عطا کردہ تھی۔'' (ایضاً ص ۲۱) اور اس کے لیے آپ نے آیت نمبر ۳۲ کے الفاظ ''لاَ عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا'' سے استدلال کیا ہے۔ اگر آیت نمبر ۳۰ میں ''إِنِّي أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ'' کے الفاظ نہ ہوتے تو آپ کا مذکورہ استدلال درست ہوتا۔ اس آیت سے صریحاً واضح ہے کہ فرشتوں نے لفظ ''خلیفہ'' کی بنا پر ایک امکانی بات کی جو ادھورے سچ کے مترادف تھی، یعنی وہ انسانی تخلیق کی مکمل اسکیم سے واقف نہیں تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ میں جانتا ہوں وہ کچھ جو تم نہیں جانتے۔ اگر اللہ نے فرشتوں کو بتا دیا تھا کہ انسان زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا جیسا کہ آپ نے لکھا ہے تو پھر ''إِنِّي أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ'' کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ شاید آپ اس کا جواب یہ دیں کہ انہیں انسان کے اسی خاص پہلو کے متعلق بتایا گیا تھا۔ میری گزارش ہوگی کہ اس مفروضے کی بنیاد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ ان کے ساتھ مذاق تو نہیں کر رہا تھا کہ آدھی بات بتا دی اور آدھی رہنے دی۔ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو زمین پر انسان کے خلیفہ بنائے جانے سے آگاہ کیا۔ 'خلیفہ' (یعنی صاحب اختیار) کے لفظ سے فرشتوں نے ایک امکانی بات اخذ کی جو معاملے کے سارے پہلوؤں کو محیط نہ تھی، یعنی یہ کہ یہ صاحب اختیار مخلوق زمین میں فساد برپا کرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اس کے بعد اللہ نے فرشتوں کے نہ جاننے کو جاننے میں تبدیل کرنے کے لیے پہلے حضرت آدمؑ کو ان کی ''صالح ذریت'' کی فہرست دکھائی (یا ان نیک بندوں کی صورتیں دکھائیں) پھر ان نیک بندوں کی بابت فرشتوں سے دریافت کیا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ان لوگوں کے متعلق، جو سب کے سب نیک اور متقی ہوں گے، تمھاری کیا رائے ہے؟ فرشتوں نے اللہ کی مکمل سکیم کی نوعیت کو سمجھنے سے معذوری ظاہر کی اور شک کرنے سے گریز کیا

اور کہا کہ اے خدا! جس امکانی بات کا علم تو نے ہمیں بخشا ہے، اسے کل سمجھتے ہوئے ہم نے ٹھوکر کھائی۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ امکانی بات کرنا بذات خود غلط نہیں، بلکہ اچھی چیز ہے لیکن مزید امکانات کا اندازہ کرنے کے بعد صرف اپنے ''امکانی علم'' پر ہٹ دھرمی اختیار کرنا اور اس پر اڑے رہنا غیر مستحسن رویہ ہے۔ اب اللہ نے حضرت آدمؑ سے کہا کہ ان لوگوں سے فرشتوں کا تعارف کرا دیں۔ اس کے بعد اللہ نے کہا کہ اب کہو، کیا میں نے تمہیں نہیں بتایا تھا کہ غیب کا علم میرے پاس ہے، اور میں اس چیز کو بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ (۲: ۳۳)

میاں صاحب! ''وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ'' کے بارے میں آپ کی رائے بہت صائب ہے یعنی یہ کہ ''اس وقت تک ابلیس نے اپنے انکار اور گھمنڈ کو چھپایا ہوا تھا''، لیکن اس آیت مبارکہ میں ''الاسماء'' سے علوم وفنون مراد لینا، جو قتل وخونریزی کو مغلوب کرنے والے ہوں گے، میرے خیال میں قرآن پاک کے Context کے خلاف ہے۔ آپ نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ ''الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا'' سے علوم وفنون مراد لینے کی کیا دلیل ہے؟ ان علوم وفنون کو ان امکانات تک پھیلانا جو مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ فساد اور خونریزی کی نئی نئی صورتوں کے ظہور کے جواب میں مسیحائی کردار ادا کریں گے، ایک پرتکلف بات لگتی ہے۔ اگر آپ ''اسماء'' کے لیے استعمال کی جانے والی ضمائر پر غور کریں تو واضح ہوگا کہ اس سے مراد ذریت آدم ہی کے نام ہو سکتے ہیں۔

قرآنی علمیات سے روگردانی کے ضمن میں حضرت ابراہیمؑ اور قربانی کے واقعے کی بحث کافی فکر انگیز ہے۔ اس سے قطع نظر کہ ذبیح اسماعیلؑ تھے یا اسحٰقؑ، آپ نے ''باپ کے فیضان نظر'' کا بہت پرحکمت مقام دریافت کیا ہے جس کا تعلق علم سے زیادہ متقین کے رویہ سے ہے۔ اس سلسلے میں آپ کے دلائل کافی مضبوط اور دعوتی مزاج کے حامل ہیں۔ ابن ابراہیمؑ کے بجائے ابراہیمؑ ہی کی شخصیت کو نمایاں کرنا یہاں قرآن پاک کا مطمح نظر دکھائی دیتا ہے۔ البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ آپ ''مدبرین'' کی تحقیق وتفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے دعوتی مزاج کی بلندی کو برقرار نہ رکھ سکے۔ 'ذبیح کون' کی بحث کو امکانی فساد سے تعبیر کرنا میرے خیال میں ضرورت سے زیادہ سخت تبصرہ ہے۔ مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ آپ نے فراہی مکتب فکر کو نسلی تفاخر جیسی بیماری میں مبتلا بتایا ہے جبکہ یار لوگ انھیں ''اغیار دوستی'' کا طعنہ دیتے ہیں۔

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

اللہ ہمیں پندار کا صنم کدہ ویراں کرنے اور حق کے کوئے ملامت کا طواف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کا خیر اندیش
یوسف خان جذاب
GHS، نار شکر اللہ، بنوں

(۲)

بخدمت گرامی قدر مخدومی حضرت علامہ زاہد الراشدی صاحب مدظلہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الشریعہ جنوری ۲۰۰۶ء کا شمارہ پڑھنے کا موقع ملا۔ ''آرا وافکار'' کے تحت محترم میاں انعام الرحمٰن صاحب کا مضمون پڑھا، بہت کوفت ہوئی۔ ابتدائی پانچ چھ صفحات لکھنے کے بعد میاں صاحب پٹڑی سے اتر گئے ہیں اور سارا زور قلم اس پر صرف کیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح قرار دینا قرآنی علمیات سے روگردانی ہے۔ انہوں نے سطحی قسم کی باتیں تحریر کر کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ ماننے سے انکار کیا ہے۔ مزید فرمایا ہے کہ حضرت اسماعیل کو ذبیح ماننے سے معترضین کو پھبتی کسنے کا موقع ملتا ہے کہ اسلام دعویٰ تو عالمگیریت کا کرتا ہے، لیکن اصلاً اسماعیلی ہے۔ نیز یہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ قرار دینا یہودیانہ رویہ ہے۔

مخدومی! یہ سمجھ نہیں آئی کہ میاں صاحب کو حضرت اسماعیل کو ذبیح اللہ قرار دینے پر اعتراض کیا ہے؟ اس سے دین اسلام کے وقار پر کیا حرف آتا ہے؟ اگر اقبال نے یہ کہہ دیا ''سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی'' تو کس جرم کا ارتکاب کیا ہے؟

محترم میاں صاحب کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ مولانا فراہیؒ اور مفتی محمد شفیعؒ سمیت اکثر مفسرین نے ذبیح اللہ حضرت اسماعیل ہی کو قرار دیا ہے اور اس پر آثار وقرائن بھی ذکر کیے ہیں۔ وہ دور نہ جائیں، معارف القرآن ہی دیکھ لیں۔ آثار وقرائن حضرت اسماعیل ہی کو متعین کرتے ہیں اور اس سے اسلام کی عالمگیریت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ معترضین سے مرعوب ہو کر اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے سے انکار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ پر کسی یہودی نے اعتراض کیا کہ سنا ہے تمھیں تمھارا پیغمبر ﷺ استنجا کرنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے فخریہ طور پر کہا کہ ہاں، ہمیں انہوں نے استنجا کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ (جامع ترمذی) میاں صاحب سے معذرت کے ساتھ، اگر ان جیسا کوئی مرعوبیت کا شکار شخص ہوتا تو یہی کہتا کہ نہیں نہیں، خدا کی قسم! حضور ﷺ نے ہمیں کوئی ایسی بات ارشاد نہیں فرمائی۔ محترم میاں صاحب سے گزارش ہے کہ مستشرقین ودیگر کفار کے اعتراضات کے جواب میں گھبرا کر اپنا اصل موقف چھوڑ دینا اور یہود ونصاریٰ سے موافقت کے راستے تلاش کرنا دین کی کوئی خدمت نہیں ہے۔

میاں صاحب نے ''حرف آخر'' کے زیر عنوان ایک حدیث نقل کی ہے: ''اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب''۔ میرا ان سے سوال ہے کہ کیا حضور ﷺ کا یہ فرمان مطلق ہے یا اس میں کوئی قید بھی ہے؟ مفسرین اور محدثین کیا فرماتے ہیں؟ اگر وہ اس سوال کا جواب تلاش کریں گے تو مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے موقف پر نظر ثانی پر مجبور ہو جائیں گے۔

میاں صاحب سے یہ بھی التماس ہے کہ آج کے دور میں فکری انتشار بہت زیادہ ہے، ایسے میں مزید انتشار پیدا کرنا، خواہ وہ کتنی ہی نیک نیتی سے کیوں نہ ہو، دین کی کوئی خدمت نہیں ہے۔ اس سے احتراز فرمائیں۔ اور بے شک کم لکھیں، لیکن علمی پختگی کے ساتھ لکھیں۔ اپنے فکری انتشار پر پختہ فکر علما سے گفتگو کریں۔

مخدومی! آپ سے بھی گزارش ہے کہ آرا وافکار کے زیر عنوان فکری انتشار میں اضافہ کرنے والے مضامین شائع نہ کریں۔ حدود وقیود متعین فرمائیں۔ آپ کا یہ طرز فکر ''جماعت کو لازم پکڑو'' (الحدیث) کے منشا کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

میاں صاحب کو کوئی بات ناگوار گزرے تو معذرت خواہ ہوں۔

(مولانا) مشتاق احمد

استاذ جامعہ عربیہ، چنیوٹ

(۳)

گرامی قدر نقوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ میں تکفیر شیعہ پر جو بحث چل رہا ہے، اس میں میرے موقف پر آپ کا تبصرہ بصورت خط شائع ہوا ہے۔ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ:

۱۔ لاہور میں علامہ ڈاکٹر محمد حسین اکبر صاحب (ادارہ منہاج الحسین) سے میرا رابطہ تھا۔ ''الشریعہ'' میں مذکورہ مضمون لکھنے سے پیشتر میں کئی ماہ تک ان کو خط لکھتا اور فون کرتا رہا کہ جن تین امور کی وجہ سے مولانا سرفراز صفدر صاحب اور دیگر بعض سنی علما اہل تشیع کی تکفیر کرتے ہیں، اگر وہ وضاحت کر دیں کہ یہ سارے شیعہ کے اجتماعی مسائل نہیں ہیں تو میرا موقف مضبوط ہو جاتا کہ سارے اہل تشیع کی تکفیر نہیں کی جا سکتی، لیکن علامہ صاحب ٹالتے رہے اور انہوں نے جواب نہیں دیا اور بالآخر میں نے اس کے بغیر ہی مضمون ''الشریعہ'' کو بھجوا دیا۔ میری اب بھی یہ خواہش ہے کہ آپ اہل تشیع کا کوئی ذمہ دار عالم اس بات کی تصدیق کر دے تاکہ میرا کیس مضبوط ہو جائے۔ (یاد رہے کہ میرا یہ مضمون تھا اس مضمون پر جو اس سے پہلے شمارے میں مولانا زاہد الراشدی صاحب نے لکھا تھا اور جس میں مذکورہ تین نکات کا ذکر تھا)۔

۲۔ اگر آپ یہ کنفرم کر دیں کہ آپ کی جماعت کے پیش نظر پاکستان میں فقہ جعفریہ کا نفاذ نہیں تھا اور نہیں ہے بلکہ آپ اہل تشیع کے دیگر جائز قانونی حقوق کے لیے کوشاں تھے اور ہیں تو مجھے کیا پڑی ہے کہ اس موقف کو آپ کے سر منڈھوں جو درحقیقت آپ کا موقف نہیں ہے اور بقول آپ کے ایجنسیوں کا موقف ہے؟

۳۔ میں ایک سیدھا سادہ کھلے دل کا مسلمان ہوں اور کسی خاص مسلک سے وابستہ نہیں ہوں، بس طبیعت صلح جو ہے، اتحاد امت کا درد دل میں ہے کہ شیعہ سنی منافرت کم ہو جائے اور امت ایک دوسرے کے قریب آ جائے۔

والسلام۔ مخلص

(ڈاکٹر) محمد امین

سینئر ایڈیٹر، اردو دائرہ معارف اسلامیہ

جامعہ پنجاب۔ لاہور

(۴)

محترم جناب ڈاکٹر امین صاحب

السلام علیکم، مزاج گرامی

ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ میں آپ کے مضمون کی وضاحت میں ہمارے خط کی اشاعت کے بعد آپ کا گرامی

نامہ موصول ہوا۔ اس سلسلے میں گزارش ہے کہ:

تکفیر کے ذیل میں آپ نے جو کچھ فرمایا، ہم نے اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ جن عقائد کو بنیاد بنا کر تکفیر کی بحث کی گئی ہے، وہ شیعہ عقائد کا حصہ نہیں ہیں۔ گزشتہ دو عشروں میں مرتب ہونے والے مختلف ضابطہ اخلاق، بالخصوص متحدہ مجلس عمل کے اعلامیہ وحدت، اسلام آباد میں ہماری شمولیت اس بات کی بین دلیل ہے کہ ہم ان مسائل میں واضح، روشن اور دوٹوک ہیں۔

اسی بنا پر ''شیعہ سنی تنازع کا حل'' کے ذیل میں تنازع کے وجوہ اور علل واسباب پر ہم نے عرض کیا تھا کہ ہمارے خلاف یہ موقف پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں کی طرف سے جاری کیا گیا اور بعد میں سپاہ صحابہؓ کی زبان سے دہرایا جاتا رہا اور تاحال دہرایا جا رہا ہے۔ اس ضمن میں آپ نے جن دو گروہوں کے برسر پیکار ہونے کا ابتدا میں ذکر کیا ہے اور آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ ''اب دونوں گروہ ایک دوسرے کے آدمی مارے جا رہے ہیں''، بہتر ہوگا کہ ان دونوں گروہوں کی شناخت پر پوری توجہ دی جائے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دیا جائے اور پھر نادم ہونا پڑے۔

جہاں تک تحریک جعفریہ کے اہداف کا تعلق ہے تو شاید آپ تک ہمارا موقف نہیں پہنچ سکا۔ بارہا واضح کر چکے ہیں کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ (تحریک جعفریہ) کا مقصد پاکستان کے تمام عوام پر فقہ جعفریہ کو مسلط کرنا ہرگز نہیں بلکہ آئینی دائرہ کار میں رہ کر پاکستان کے شیعہ عوام کے لیے فقہ جعفریہ کا نفاذ اور ان کے قانونی حقوق کا تحفظ ہی ہدف ہے۔

وحدت امت کے قیام اور شیعہ سنی منافرت کے خاتمے کے حوالے سے آپ نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، ہم انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ کی جدوجہد لائق تحسین ہے۔ ہم سنجیدہ اور متین کوششوں پر تعاون پر آمادہ ہیں۔

نیک خواہشات کے ساتھ

والسلام

سید عبد الجلیل نقوی

مسئول روابط

قائد تحریک نفاذ فقہ جعفریہ

(۵)

محترم ومکرم حضرت مولانا دامت الطافکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

.....

میں تقریباً تین ماہ کے بعد گزشتہ ہفتہ لندن واپس پہنچا ہوں۔ ''ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق'' کے مطابق آنے کے ساتھ ہی ڈنمارک کی چھوڑی ہوئی پھلجڑی کا منحوس نظارہ ہے۔ اور پھر وہی ردعمل جس کے بارے میں اس بار تو ذرا شبہہ کی گنجایش نہ ہونی چاہیے تھی کہ عمل سے مقصود ہی اس ردعمل کا حصول ہے۔ سب سے زیادہ افسوس حماس کے پایہ تخت غزہ کے ردعمل کا ہے اور جس طرح وہاں کے ردعمل کی خبروں کو نمایاں تر کیا جا رہا ہے، اس سے تو ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے عمل کا اصل

نشانہ فلسطین ہی تھا۔ اور وہ کامیاب رہا۔

.....

(مولانا) عتیق الرحمٰن (سنبھلی)

لندن

(۶)

گزشتہ دنوں ماہنامہ ''الشریعہ'' فروری ۲۰۰۶ء کا شمارہ موصول ہوا۔ جناب پروفیسر اکرم ورک صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے دعاؤں میں یاد رکھا اور مجھے اعزازی شمارہ ارسال کیا۔ اسا ل اللہ لہ کل مایحبہّ و یرضاہ۔

یوسف خان جذاب کا مضمون پسند آیا۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ ''ماہنامہ الشریعہ اور جناب جاوید احمد غامدی'' کے نام سے جو مضمون آصف محمود ایڈووکیٹ صاحب نے تحریر کیا ہے، اس میں انہوں نے بڑی عمدہ بات کہی ہے کہ ''شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور'' کے مصداق ہمیں بلا جواز تنقید نہیں کرنی چاہیے۔ جاوید احمد غامدی صاحب کے جو افکار ونظریات ہیں، وہ اسلاف میں بہت سے بزرگوں کے بھی رہے ہیں، اس لیے غلام احمد قادیانی کے ساتھ ان کی مطابقت اور مماثلت کے حوالے سے گفتگو کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ فاضل دوست کی یہ مثبت سوچ ہے، لیکن ساتھ ہی انہوں نے حدود آرڈیننس کو ''صحیفہ جہالت'' قرار دیا ہے۔ قانون کے ماہر کے لیے ایسی سخت زبان استعمال کرنا ناقابل فہم ہے۔ میں اپنے فاضل دوست سے بحیثیت مجموعی اتفاق کرتا ہوں، تاہم ایک نقاد کا فرض بنتا ہے کہ جب وہ کسی فکر اور زاویہ نگاہ کو تنقید کا نشانہ بنائے تو پہلے دیانت دارانہ طریقے سے اس فکر کی وضاحت کرے اور پھر دلائل کی روشنی میں اس کی درستی یا نادرستی کو واضح کرے۔ فاضل دوست کے مذکورہ الفاظ ایک غیر علمی اور غیر سنجیدہ رویہ پر دلالت کرتے ہیں۔ حدود آرڈیننس میں جہاں کہیں سقم پایا جاتا ہے، اگر فاضل دوست ان مقامات کی نشاندہی کرتے اور اس میں حذف واضافہ تجویز کرتے تو یہ ان کی علمی خدمت ہوتی۔ ماہنامہ 'الشریعہ' کی وساطت سے فاضل دوست اگر اب بھی اس سلسلے کو شروع کریں اور حدود آرڈیننس کی تمام دفعات کا قرآن وسنت کی روشنی میں شرعی جائزہ لے کر واضح کر دیں تو راقم الحروف اور دیگر احباب ان کے ممنون ہوں گے۔

عبد الغفار

لیکچرر اسلامیات

''الشرح النثیر ی علی مختصر القدوری''

پانچویں صدی ہجری کے حنفی بزرگ امام ابوالحسن احمد بن ابی بکر القدوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف 'المختصر للقدوری'' کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت کے اس مقام سے نوازا ہے کہ یہ حنفی فقہ کے متن کے طور پر سب سے زیادہ پڑھائی جانے والی کتاب ہے اور جس اختصار اور جامعیت کے ساتھ امام قدوریؒ نے حنفی فقہ کے مسائل اور جزئیات کو اس میں سمو دیا ہے، اس کی اور کوئی مثال نہیں ملتی۔ درس نظامی کے نصاب میں اسے فقہ حنفی کی تعلیم کے لیے بنیادی حیثیت حاصل ہے اور ہزاروں مدارس میں اس وقت بھی یہ کتاب زیر درس ہے۔

ہمارے محترم اور فاضل دوست حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی فاضل دیوبند نے، جو ایک عرصہ سے برطانیہ میں مقیم ہیں، سالہا سال کی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ اردو میں ''قدوری'' کی شرح مندرجہ بالا عنوان کے ساتھ تحریر کی ہے جو چار ضخیم جلدوں میں اٹھارہ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں انھوں نے نہ صرف قدوری کے مسائل کی آسان اردو میں تشریح کی ہے بلکہ قرآن وسنت اور آثار صحابہؓ سے ان مسائل کے دلائل اور مآخذ کو بھی حسن ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے اور مسائل کو نمبروار ترتیب کے ساتھ درج کر کے ان کے سمجھنے میں مزید آسانی پیدا کر دی ہے۔

مولانا ثمیر الدین قاسمی کے ساتھ ہمارا پرانا تعلق ہے اور میں نے مانچسٹر میں ان کی قیام گاہ پر انھیں اس علمی خدمت میں کئی بار سراپا منہمک دیکھا ہے۔ اس دور میں بھی انھوں نے اس کا زیر ترتیب مسودہ متعدد بار دکھایا اور میری ہمیشہ دعا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اس کام کو مکمل کرنے کی توفیق دیں۔ اپنے مشمولات کے حوالہ سے یہ کتاب صرف قدوری کی شرح نہیں ہے بلکہ فقہ حنفی کے مسائل وجزئیات اور ان کے دلائل ومآخذ کا اردو زبان میں عظیم الشان ذخیرہ ہے جو طلبہ، اساتذہ اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے یکساں مفید ہے۔

ہمارے ایک اور محترم دوست الحاج عبدالرحمٰن باوا نے ''ختم نبوت اکیڈمی لندن'' کی طرف سے اس کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے اور صحت، خوب صورتی اور معیار کا یکساں لحاظ رکھا ہے۔ پاکستان میں یہ کتاب اسلامی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی اور دارالکتاب، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور سے طلب کی جا سکتی ہے۔

''اذکار سیرت''

معروف ماہر تعلیم پروفیسر سید محمد سلیم مرحوم کے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر مختلف مضامین کا مجموعہ مذکورہ

بالاعنوان کے ساتھ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، اے۔۴/۱۷ ناظم آباد ۴، کراچی ۱۸ نے شائع کیا ہے جس میں مختلف عنوانات کے تحت سیرت طیبہ کے حوالے سے مفید معلومات پیش کی گئی ہیں۔ ۲۴۰ صفحات کی اس مجلد کتاب کی قیمت درج نہیں ہے۔

''مقالات سیرت''

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے سیرت نبوی کے موضوع پر مختلف مضامین کو ان کے لائق فرزند مولانا قاری خلیل احمد تھانوی نے مرتب کیا ہے اور اسے ادارۃ اشرف التحقیق دار العلوم الاسلامیہ، کامران بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور نے شائع کیا ہے۔ پونے دو سو صفحات کی مجلد کتاب کی قیمت درج ہے۔

''تعلیمات اسلام''

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا شاہ مسیح اللہؒ نے اسلامی تعلیمات کو تعلیم و تدریس کے لیے سوال و جواب کی صورت میں مرتب فرمایا ہے جو عقائد و عبادات سے لے کر معاملات و اخلاق تک تمام ضروری پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا یہ گراں قدر مجموعہ مولانا وکیل احمد شیروانی کی نگرانی میں مکتبہ فیض اشرف، بیت الاشرف، ۸۷۔اے ماڈل ٹاؤن، لاہور نے شائع کیا ہے جو سکولوں کے بچوں کی تعلیم کے لیے بطور خاص مفید ہے۔ اس کے پانچ حصے ایک جلد میں یکجا شائع کیے گئے ہیں اور قیمت درج نہیں ہے۔

''مفتی محمودؒ سے ملیے''

کراچی کے جناب مولانا قطب الدین عابد نے حضرت مولانا مفتی محمود قدس اللہ سرہ العزیز کے افکار و خیالات اور ارشادات و تعلیمات کو خوب صورت ترتیب کے ساتھ اس کتاب میں جمع کیا ہے جن میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے حالات و خدمات کے ساتھ ساتھ ان کے اکیس کے لگ بھگ بھی شامل ہیں جو انھوں نے مختلف اوقات میں اہم جرائد کو دیے اور یہ انٹرویوز بلاشبہ اس دور کی دینی جدوجہد اور قومی سیاست کی عکاسی کرتے ہیں۔

ساڑھے چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل یہ مجلد کتاب مفتی محمود اکیڈمی، کراچی نے شائع کی ہے جس کی قیمت اڑھائی سو روپے ہے اور اسے جمعیۃ پبلی کیشنز متصل مسجد پائلٹ ہائی اسکول، وحدت روڈ لاہور سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

(ابوعمار زاہد الراشدی)

تصحیح

جنوری ۲۰۰۶ کے شمارے میں ''تاریخ ختم نبوت'' نامی کتاب پر تبصرے میں مصنف کا نام غلطی سے ''شیخ مجیب الرحمٰن بٹالوی'' لکھا گیا۔ صحیح نام ''شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی'' ہے۔ ادارہ اس سہو پر معذرت خواہ ہے۔

الشریعہ اکادمی میں فکری نشست

ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین مولانا عیسیٰ منصوری اور ابراہیم کمیونٹی کالج لندن کے پرنسپل مولانا مشفق الدین اپنے رفقا مولانا شمس الضحیٰ اور مولانا بلال عبداللہ کے ہمراہ ۳ رجنوری ۲۰۰۶ء کو الشریعہ اکادمی میں تشریف لائے۔ اس موقع پر ایک خصوصی فکری نشست کا اہتمام کیا گیا جس سکول وکالج، دینی مدارس کے اساتذہ اور دیگر اہل علم نے شرکت کی۔ تقریب کی صدارت ایچی سن کالج لاہور کے پروفیسر جناب ظفر اللہ شفیق صاحب نے فرمائی۔ افتتاحی کلمات میں الشریعہ اکادمی کے ڈائریکٹر مولانا زاہد الراشدی نے معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور اکادمی کے قیام کو مولانا عیسیٰ منصوری کے ساتھ اپنی فکری رفاقت کا نتیجہ قرار دیا۔ مہمان خصوصی مولانا عیسیٰ منصوری نے ''زوال امت کے اسباب'' جیسے فکر انگیز موضوع پر تفصیلی اظہار خیال کیا اور دینی وعصری علوم سے دوری نیز دعوت وتبلیغ کے فریضہ کو نظر انداز کرنے کو زوال امت کی بڑی وجہ قرار دیا۔ پروفیسر ظفر اللہ شفیق صاحب نے صدارتی خطبے میں اس بات پر زور دیا کہ امت مسلمہ کے زوال کے اسباب کے تدارک کے لیے بھرپور عملی کوششیں کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ پروقار تقریب مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے استاذ حدیث مولانا عبدالمالک شاہ کے دعائیہ کلمات کے ساتھ اختتام پزیر ہوئی۔

نماز مغرب کے بعد الشریعہ اکادمی کے اساتذہ اور ابراہیم کمیونٹی کالج لندن کے پرنسپل جناب محمد مشفق الدین اور ان کے رفقا جناب بلال عبداللہ اور شمس الضحیٰ کے درمیان ایک خصوصی نشست کا اہتمام کیا گیا جس میں اکادمی کے ناظم مولانا محمد یوسف نے اکادمی کے اساتذہ پروفیسر میاں انعام الرحمٰن اور پروفیسر محمد اکرم ورک کے ہمراہ معزز مہمانوں کو اکادمی کے نظام اور نصاب تعلیم، اہداف اور طریقہ کار پر تفصیلی بریفنگ دی۔ یہ جوان فکر اساتذہ پر مشتمل یہ ٹیم ان دنوں برصغیر پاک وہند کے ایسے اداروں کا دورہ کر رہی ہے جو درس نظامی کے روایتی نصاب کی بجائے قدیم اور عصری علوم کے امتزاج پر مبنی نئے نصابی تجربات کر رہے ہیں۔ ابراہیم کمیونٹی کالج لندن اپنے ادارے کے لیے ایسا نصاب مدون کرنا چاہتا ہے جو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتا کہ اس کے ذریعے سے ایسے علما اور مبلغین پیدا کیے جاسکیں جو اقوام مغرب میں بہتر انداز میں دعوت وتبلیغ کا کام کر سکیں۔

(رپورٹ: فضل حمید چترالی)